عطاء اللہ صدیقی

وکیل شاتم رسول ﷺ

مولانا وحید الدین خان کے موقف کا ناقدانہ جائزہ

کفار کی طرف سے نبی رحمت ﷺ پر سب وشتم کا سلسلہ ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے اور اسی طرح علمائے اسلام نے بھی ناموس رسالت ﷺ کا بھرپور دفاع کیا اور ہر دور میں گستاخ رسول کے متعلق قتل کا فتویٰ صادر کرتے رہے۔ تاریخ اسلام میں شاتم رسول کے قتل کی سزا کے متعلق کسی مسلمان کا اختلاف نہیں رہا بلکہ یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے کہ شاتم رسول کی سزا صرف اور صرف قتل ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ دورِ حاضر میں کچھ متجددین عقل پرستی کی دعوت کو لے کر اٹھے ہیں جن کے افکار نے اُمت مسلمہ کے اجماعی ومتفقہ مسائل جو کہ مسلّمات کی حیثیت رکھتے ہیں کو اپنی دور اَز کار تاویلوں اور کٹ حجتیوں سے مشکوک کرنے کی مسلسل کوشش میں ہیں۔ ان مسائل میں شادی شدہ کے لیے رجم کی سزا، قتل مرتد اور قتل شاتم رسول شامل ہیں۔ انہی نام نہاد مسلمان سکالرز میں سے ایک نامور شخصیت وحید الدین خان ہیں جن کے قلم سے گاہے بگاہے مسلمانوں کے قلب چیر دینے والی تحریریں ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ ان کی روشنائی قلم سے اہل برصغیر کے حصہ میں آنے والا ایک دھبہ ان کی کتاب 'شتم رسول کا مسئلہ' ہے۔ جو بدنام زمانہ شخصیت سلمان رشدی کے دفاع میں لکھی گئی ہے۔ جس میں مولانا موصوف نے تاریخ اسلام سے روایات کی من مانی توجیہات سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ شاتم رسول کی سزا قتل نہیں۔ یقیناً ان جیسے لوگوں کی شہ پا کر کفار مسلمانوں کے شعائر پر بدزبانی کے مرتکب ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سلمان رشدی کی بکواسات کے بعد آج نبی رحمت کے ڈنمارک کی طرف سے توہین آمیز خاکے بنا دیئے گئے ہیں۔ بلکہ اس جرم پر وہ بڑی ڈھٹائی سے مصر ہیں۔ دراصل وحید الدین خان جیسے علماء اپنی تحریروں سے ان لوگوں کو سند جواز بخشتے ہیں اسلام اور شعائر اسلام انہی کو زبان حال سے گویا ہوتے ہیں:

میں اگر سوختۂ ساماں ہوں تو یہ روز سیاہ خود دکھایا ہے میرے گھر کے چراغاں نے مجھے
کوئی کافر میری تذلیل نہ کرسکتا تھا مرحمت کی ہے یہ سوغات مسلماں نے مجھے

زیر نظر تحریر میں نامور قلم کار جناب عطاء اللہ صدیقی صاحب نے مولانا وحید الدین خان کے پرفریب اعتراضات وتاویلات کو براہین قاطعہ سے هباءً منثورًا بنا دیا ہے۔ یہ تحریر محترم صدیقی صاحب نے اگرچہ مولانا وحید الدین خان کی کتاب 'مسئلہ شتم رسول' کے منصۂ شہود پر آنے پر ماہنامہ 'محدث' کے لیے لکھی تھی، لیکن بوجوہ 'محدث' میں اس کی اشاعت نہ ہوسکی اب چونکہ حالیہ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کی وجہ سے عالم اسلام میں 'قتل شاتم رسول' کی بحث چھڑ چکی ہے اور دوسرے یہ کہ مولانا وحید الدین خان بھی اپنے موقف پر بدستور ڈٹے ہوئے ہیں کہ شاتم رسول کی سزا قتل نہیں اور اس کے ان کی اپنی کتاب 'مسئلہ شتم رسول' سے دیئے گئے دلائل ۲۰۰۶ء میں چھپنے والی ان کی کتاب 'مسائل اجتہاد' صفحہ ۲۴ پر دیکھے جاسکتے ہیں لہٰذا اس تحریر کو افادۂ عام کے لیے شائع کیا جارہا ہے تاکہ عوام الناس 'قتل شاتم رسول' کے خلاف دیئے گئے دلائل کا جواب حاصل کرسکیں اور برصغیر کے اس نام نہاد سکالر کی کج فکری سے آگاہ ہوسکیں۔ [کامران طاہر]

گذشتہ چودہ صدیوں کے دوران آفتابِ رسالت ﷺ جہاں تاب پر تھوکنے کی کوشش میں ذلت و نکبت سے دو چار ہونے والی بد بخت انسانی تھوتھنیوں میں ملعون سلمان رُشدی کی تھوتھنی سے زیادہ مکروہ اور ذلیل تھوتھنی کرۂ ارض کے سینے پر مشاہدے میں نہیں آئی۔ رُشدی ملعون کی ہفواتی تھوتھنی اس اعتبار سے بھی منفرد ہے کہ اس پر، اگرچہ نام کی حد تک سہی مگر، اسلام کا ظاہری 'لیبل' چپکا ہوا ہے۔ اس سے پہلے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف رذالت کی آخری حدوں تک کینہ و بغض کا شکار مسیحی جنونی پادری زبان درازیاں کرتے رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں شام و فلسطین میں فیصلہ کن شکست کھانے کے بعد بازنطینی مسیحی ریاست کے جنونی پادری پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف اہانت آمیز کتابیں لکھنا شروع ہو گئے تھے۔ مگر صلیبی جنگوں جو تقریباً پونے دوسو سال کے عرصہ پر محیط ہیں، کے دوران جب یورپ کی مسیحی اقوام کا مشرقِ وسطیٰ کی اسلامی ریاست سے طویل براہِ راست تصادم ہوا۔ اس دوران میں مسیحی جنونی پادریوں نے اپنے قلب کی سیاہیوں کو صفحۂ قرطاس پر یوں انڈیلنا شروع کیا کہ یہ سیاہی قیامت تک ان کے چہروں پر لعنت کا نشان بن کر چمکتی رہے گی۔ ان کی ظلمت مآب تحریروں سے آفتابِ رسالت ﷺ کی نورانی کرنوں میں کمی کی بجائے بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ کائنات ابد سے ازل تک اس نورِ رسالت ﷺ کی ضیا پاشیوں کی ممنونِ کرم رہے گی۔

انہی دنوں ایک دفعہ راقم الحروف جناب جسٹس تقی الدین پال صاحب سے ان کے دفتر میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ پال صاحب ان دنوں حکومت پنجاب کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ایڈیشنل سیکرٹری تھے۔ وہ خلاف معمول دِل گرفتہ اور رنجور تھے۔ انہوں نے راقم کو مولانا کوثر نیازی کا مضمون پڑھنے کو دیا جو غالباً 'جنگ' میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں نیازی صاحب نے 'شیطانی ہفوات' کی شرانگیزی کو بے نقاب کیا تھا۔ مضمون کو پڑھنا تھا کہ راقم کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میں نے تقی الدین پال صاحب سے گذارش کی وہ مجھے 'شیطانی ہفوات' جہاں سے بھی ہو سکے مہیا کریں۔ چونکہ میں جب تک اس کے خلاف نہیں لکھوں گا، چین نہیں پاؤں گا۔ انہوں نے مجھے سپیشل برانچ پنجاب کے اس وقت کے DIG جناب تنویر احمد صاحب کے پاس بھیجا۔ سپیشل برانچ نے اپنے ذرائع سے اس کتاب کو حاصل کیا تھا، کیونکہ اس وقت یہ کتاب پاکستان میں تقریباً ناپید تھی۔ تنویر صاحب سے 'شیطانی ہفوات' لینے کے بعد جب میں تقی الدین پال صاحب کے پاس واپس آیا تو انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ اس کو پڑھوں اور اس کے قابل اعتراض حصوں کی نشاندہی کروں تاکہ اس مواد کی بنیاد پر حکومتِ پنجاب اس کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کر دے۔ یہ یاد رہے کہ ابھی تک حکومتِ پاکستان نے ملعون رُشدی کی اس کتاب پر پابندی عائد نہیں کی تھی۔

راقم الحروف نے طبیعت پر انتہائی جبر کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا۔ ہر اگلی سطر جسم و جان کو ریزہ ریزہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ میں جب اس کتاب کو پڑھ رہا تھا، خدائے پاک سے پناہ بھی طلب کر رہا تھا کہ وہ مجھے معاف کریں کہ میری زبان اس کے محبوب پیغمبر ﷺ کے خلاف لکھے گئے ان توہین آمیز الفاظ کو دہرا رہی تھی جو ملعون رشدی کے بد بخت قلم سے نکلے تھے۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ میں اس کتاب کا ایک پیراگراف پڑھتا اور پھر شدید بے کلی کا شکار ہو کر کمرے سے باہر نکل کر ٹہلنا شروع کر دیتا۔ اس طرح تمام رات میں اضطراب کے شدید دھچکوں سے گزرتا رہا اور میری کیفیت یہ تھی کہ اگر ملعون رشدی سامنے آجاتا تو میں اس کے ناپاک جسم کو گولیوں سے اس قدر

چھلنی کر دیتا کہ اس کا وجود ہزاروں لوتھڑوں میں تقسیم ہو کر زمین پر بکھر جاتا۔ میرا ذہن تیز انگاروں پر رکھی ہانڈی کی طرح اُبل رہا تھا۔ اسی طرح توبہ و استغفار کرتے کرتے میں نے صبح ہونے تک اس ہفواتی بکواس کے متعدد پیرا گراف کو نشان زَد کر لیا تھا اور ان کو ترتیب دے کر ایک نوٹ کی صورت میں اپنی رائے کے ساتھ تحریر کر لیا تھا۔ دوسرے دن میں نے اپنی تحریری رائے جناب تقی الدین پال صاحب کے حوالے کر دی۔ ایک دو روز بعد اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ حکومتِ پنجاب نے شاتم رسول سلمان رشدی کی کتاب 'شیطانی آیات' پر مکمل پابندی عائد کر دی ہے۔ اس کے چند دن بعد حکومتِ پاکستان نے بھی پابندی کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا۔ یہ تحریری نوٹ لکھنے کے بعد بھی میرا دل اطمینان کا شکار نہ ہوا۔ میں نے ایک بے حد جذبات میں رندھا ہوا مضمون قلمبند کیا جو بعد میں ان دنوں 'نوائے وقت' میں شائع ہوا۔

آج پورے دس برس کے بعد میں ملعون رشدی کا ذکر لئے بیٹھا ہوں تو اس کی وجہ اس کی 'شیطانی ہفوات' کا مطالعہ نہیں ہے، کیونکہ اس کو پڑھنے کے بعد جب تک میں نے اسے جلا نہیں دیا تھا میرے قلب نے چین نہیں پکڑا تھا۔ ایک ہی کمرے میں 'شیطانی ہفوات' اور اس خاکپائے دربارِ رسالت کا قیام ناممکن تھا۔ ان سطور کا محرک بھارت کے نامور عالم دین مولانا وحید الدین خان کی کتاب 'شتم رسول کا مسئلہ' ہے۔ جس میں انہوں نے سلمان رشدی کے خلاف چلائی جانے والی مہم کی مذمت کی ہے۔ رُشدی ملعون تو ایک لادین، خدا کا منکر اور یہودیوں کا ایجنٹ ہے جس نے ناول کے پیرائے میں مذکورہ کتاب لکھ کر کروڑوں روپے بنائے ہیں۔ مگر مولانا وحید الدین خان وہ تو اپنے آپ کو اسلام کا مبلغ اور داعی کہتے ہیں، ان کی طرف سے سلمان رُشدی کی بجائے اس کے ناقدین کو تنقید کا نشانہ بنانا ایک ایسا پریشان کن تجربہ ہے کہ جس نے ایک دفعہ دس برس پہلے والی میری اضطرابی کیفیت کے زخموں کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔ میں سوچتا ہوں ۔

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا مانند مسلمانی

مولانا وحید الدین خان سے میں پہلی دفعہ ۱۹۸۰ء کے لگ بھگ متعارف ہوا۔ میرے ایک استادِ محترم پروفیسر عبدالرؤف صاحب نے مجھے مولانا وحید الدین خان کی کتاب 'تعبیر کی غلطی' پڑھنے کو دی۔ پروفیسر صاحب کا مقصد مجھے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی فکر پر ان کے ہی ایک سابقہ رفیق کی طرف سے کی جانے والی 'علمی تنقید' سے مجھے آگاہ کرنا تھا۔ میں نے بے حد غور سے اس کتاب کو پڑھا۔ مولانا وحید الدین خان کے استدلال نے مجھے متاثر نہ کیا۔ میرے خیال میں اس کتاب کا نام 'تنقید کی غلطی' ہونا چاہئے تھا۔ مولانا وحید الدین خان نے اپنے خلاف لکھے جانے والے مولانا مودودی رحمہ اللہ کے جو خطوط اس کتاب میں شامل کئے تھے، الٹا ان کا وزن میں نے محسوس کیا۔ میں نے پروفیسر عبدالرؤف صاحب کو کتاب واپس کر دی، لیکن ان کے احترام کی وجہ سے اپنی رائے کو محفوظ رکھا۔

گذشتہ اٹھارہ برسوں میں کبھی کبھار مولانا وحید الدین خان کی کوئی کتاب یا رسالہ ہاتھ لگتا تو میں اس کو پڑھ لیتا۔ مولانا وحید الدین خان کے 'مقالات' پر مشتمل ایک کتاب چند سال پہلے میری نگاہ سے گزری، جو کافی حد تک متاثر کن تھی۔ مگر ان کی فکر کے 'جوہر' نے کبھی بھی متاثر نہ کیا۔ گذشتہ کئی برسوں سے 'تذکیر' کا بڑا چرچا رہا ہے۔ پاکستان میں گذشتہ کئی برسوں سے وحید الدین خان صاحب کی فکر سے متاثر کوئی صاحب ان کے الرسالۃ کو محض تذکیر کا نام

دے کر شائع کر رہے ہیں۔ اس کے متعدد شمارے بھی راقم کی نگاہ سے گذرے ہیں۔ جہادِ کشمیر کے متعلق مولانا وحید الدین خان کی رائے پڑھ کر بے حد دکھ ہوا۔ اور پھر حال ہی میں میرے کرم فرما زاہد سلیمان صاحب نے کتاب 'شتم رسول کا مسئلہ' مجھے مطالعہ کے لئے دی۔ اس کتاب نے ایک دفعہ پھر میرے ذہن میں ہلچل برپا کردی ہے۔ میں بڑے دنوں سے مولانا وحید الدین خان جیسے ایک نامور مبلغ اسلام کی طرف سے سلمان رُشدی کی بالواسطہ حمایت میں لکھی گئی اس دل آزار کتاب کی کوئی تاویل اور کوئی قابل قبول محرک تلاش کرنے میں سرگرداں رہا ہوں اور وحید الدین خان صاحب کے لئے بھی کوئی مناسب ترکیب سوچتا رہا ہوں بالآخران کے لئے 'وکیلِ شاتم رسول' کی اصطلاح ذہن میں آئی ہے۔ مولانا صاحب کی مذکورہ کتاب کے مطالعہ کے بعد میرے خیال میں مولانا وحید الدین خان کا نام 'ہدام الدین خان' ہونا چاہئے۔

ملعون رشدی کے 'ناول' کا عنوان 'شیطانی آیات' درحقیقت قرآن مجید کے لئے استعارہ ہے (نعوذ باللہ) قرآن مجید تو مقدس ترین الہامی کتاب ہے۔ البتہ ملعون رشدی کا ناول اسم بامسمّٰی ہے یہ درحقیقت 'شیطانی ہفوات' ہے۔ ایسی بکواس ایسے ملعون کی طرف سے ہی لکھی جاسکتی تھی جو اب شیطانِ مجسم بن کر جیتے جی لعنت مآب اور نمونہ عبرت بن چکا ہے اور موت کے بعد جہنم واصل ہوکر کائنات کی ہر جاندار مخلوق کی طرف سے قیامت تک لعنت کا مستحق ٹھہرے گا۔ ملعون رشدی نے 'شیطانی ہفوات' میں وجۂ کائنات، فخر موجودات، سرورِ کونین، اربوں مسلمانوں کے دلوں کے سرور اور آنکھوں کے نور حضرت محمد مصطفٰی ﷺ اور ان کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے متعلق جو الفاظ تحریر کئے ہیں، بہت سے لکھنے والوں نے ان کی نشاندہی کی ہے اور 'نقل کفر کفر نہ باشد' کے مصداق انہوں نے اُمتِ مسلمہ کو آگاہ کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ ان ہفواتی کلمات کو دہرانا شدید ذہنی کرب اور اذیت سے کم نہیں ہے۔ میرے مضمون کا اصل موضوع بھی 'وکیلِ شاتم رسول' ہے نہ کہ ملعون شاتم رسول رُشدی۔

درج ذیل سطور میں مولانا وحید الدین خان کی مذکورہ کتاب سے چند اقتباسات نقل کرنے کے بعد ان کی فکر کی ظلمتوں کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا موصوف کی درفنطنی ملاحظہ فرمائیے:

'شتم رسول کا مسئلہ' کے آغاز کلام میں لکھتے ہیں:

> ''موجودہ زمانہ کے مسلمان نہ صرف یہ کہ دعوت کا کام نہیں کر رہے ہیں بلکہ وہ مسلسل دعوت کو قتل کرنے میں مشغول ہیں۔ دوسری قوموں کو سیاسی حریف سمجھنا، ان کے مقابلہ میں احتجاجی اور مطالباتی مہم چلانا، ایسے جھگڑے کرنا جس کے نتیجہ میں داعی اور مدعو کے درمیان تعلقات خراب ہوجائیں۔ وہ دعوت ونصیحت کے قائل ہیں۔ مگر ساری دنیا کے مسلمان ہر روز انہی دعوت کش سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں۔ اصاغر تو درکنار ان کے اکابر بھی سوچ نہیں پاتے کہ وہ ایسا کرکے اپنے خلاف خدا کے غضب کو بھڑکا رہے ہیں۔
>
> انہیں دعوت کش سرگرمیوں میں سے ایک سرگرمی وہ ہے جو 'شتم رسول' کے خلاف مسلمان ہر جگہ جاری کئے ہوئے ہیں۔ اور جس کا ایک نمایاں مظاہرہ سلمان رشدی کی کتاب (شیطانی آیات) کی اشاعت کے بعد ۱۹۸۹ء میں سامنے آیا ہے۔ اینٹی رشدی ایجی ٹیشن بلاشبہ لغویت کی حد تک غیر اسلامی تھا۔ اس لئے وہ مسلمانوں کے اصاغر واکابر کے درمیان اس لئے جاری رہا کہ دعوتی شعور سے محرومی کی بنا پر انہوں نے وہ کسوٹی کھو دی تھی جس پر جانچ کر دہ معلوم کرسکیں کہ کونسی روشِ اسلام کے مطابق ہے اور کونسی روش اسلام کے مطابق نہیں۔
>
> مسلمانوں کے اس داعیانہ منصب کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ ہرگز کسی ایسی سرگرمی میں مبتلا نہ ہوں جو دعوت کے مزاج کے

خلاف ہو، یا دعوت کے امکانات کو برباد کرنے والی ہو۔ اگر مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا تو یقینی طور پر وہ خدا کے یہاں مجرم قرار پائیں گے خواہ انہوں نے اپنے دعوت کش جلوس کا نام شوکتِ اسلام جلوس رکھ لیا ہو اور خواہ اس کی اعانت کے لئے تمام اعاظم و اکابر اکٹھے ہو گئے ہوں۔

موجودہ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ اگر ذرا بھی ان کے خلافِ مزاج بات کرے تو وہ فوراً مشتعل ہو کر اس سے لڑنے لگتے ہیں۔...... ناگوار باتوں پر مشتعل ہو جانے کی اس فہرست میں سب سے نمایاں چیز وہ ہے جس کو 'ناموسِ رسول پر حملہ' یا 'رسول کی شان میں گستاخی' جیسے جذباتی الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس نوعیت کی اگر کوئی افواہ بھی پھیل جائے تو اس کے بعد مسلمان اس طرح بھڑک کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسلام تو درکنار عقل و ہوش سے بھی ان کا دور کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسلمانوں کا یہ لغو مزاج صرف اسی لئے ہے کہ انہوں نے دعوت کا شعور کھو دیا ہے، دوسری اقوام کو وہ اپنا قومی رقیب اور دنیوی حریف سمجھتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ ان کے اندر دعوتی شعور پیدا کیا جائے کہ وہ داعی ہیں اور دوسری قومیں ان کے لئے مدعو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی سے ان کی جھوٹی جذباتیت ختم ہو گی۔ اسی سے ان کے اندر یہ حکمت آئے گی کہ وہ ناگوار باتوں سے اعراض کریں اور اشتعال انگیز باتوں پر مشتعل نہ ہوں" [صفحہ ۶،۷]

قارئین کرام! مولانا وحید الدین خان کی کتاب کے مذکورہ طویل اقتباس کا پڑھنا آپ کے لئے شاید تکلیف دہ ہو، میرے لئے اس کو نقل کرنا بھی ایک روح فرسا تجربہ سے کم نہیں ہے۔ میں نے یہ طویل اقتباس ایک ہی جگہ پر نقل کر دیا ہے تاکہ اب اس پر کھل کر اظہار کیا جاسکے اور بار بار ذہن کی یکسوئی نہ ٹوٹے۔ یہ مولانا وحید الدین خان جیسے نام نہاد داعیٔ اسلام کی حد درجہ گمراہ کن، ظلمت مآب اور اسلام کے متعلق بے حمیتی کے اظہار کا عظیم شاہکار ہے۔ درج ذیل نکات ہماری توجہ کے متقاضی ہیں:

① مولانا وحید الدین خان اپنی تعقل پسندی کا بہت ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ وہ مریضانہ پندارِ ذات کے شیش محل میں براجمان ہو کر اپنے ناقدین کی آراء کو بے محابہ لغو قرار دیتے ہیں اور یہ ان کا تقریباً تکیہ کلام بن چکا ہے۔ خود ان کا اپنا حال یہ ہے کہ ان کی اپنی باتیں مبالغہ آمیز اور ان کی 'عقل پسندی' حد درجہ غیر حقیقت پسندانہ اور ساقط الاعتبار ہوتی ہے۔ عقل عام "Common Sense" یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے کہ 'ساری دنیا' کے مسلمان 'ہر روز' دعوت کش سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں۔ اس کرۂ ارض پر ایک ارب سے زیادہ مسلمان بستے ہیں۔ مولانا موصوف کا ان کے بارے میں حسن تخیل ملاحظہ فرمایئے جو کسی کو بھی مستثنیٰ قرار دینے کے روادار نہیں کہ وہ 'ہر روز' دعوت کش سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں گویا انہیں کرنے کو اور کچھ کام نہیں ہے، ایک معمولی فہم رکھنے والا فرد بھی اس 'نابغۂ عصر' کی رائے کی اس نامعقولیت کو بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

② مولانا وحید الدین خان کا عتاب جوار بھاٹا کی صورت میں مسلمانوں پر نازل ہوتا ہے۔ وہ مسلمانوں پر اس بنا پر خوب برستے ہیں کہ انہوں نے 'دوسری قوموں کو سیاسی حریف' سمجھ رکھا ہے اور وہ خواہ مخواہ 'ایسے جھگڑے کھڑے کرتے ہیں جن سے دوسری اقوام سے 'تعلقات خراب ہو جائیں' موصوف اسلامی تاریخ کے علوم کے 'قارون' ہیں اور اپنی دعوت کو قرآن و سنت کے عین مطابق قرار دیتے ہیں۔ مگر ان کے طاقتور حافظے میں وہ قرآنی آیات قائم نہیں رہتیں یا وہ علمی بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں جس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

کفار مومنوں کے دوست ہرگز نہیں ہوسکتے۔ یہاں تک کہ مسلمان دین اسلام چھوڑ کر ان کا دین نہ اَپنا لیں اور پھر صحابہ کرام ﷺ نے تو (معاذ اللہ) خواہ مخواہ ہی ایران، فلسطین اور شام پر حملے کئے تھے؟ ایرانیوں اور رومی سلطنتوں سے ٹکر لے کر انہوں نے 'دعوت کے امکانات خراب' ہی کئے تھے؟ اور پھر خود رسالت مآب ﷺ جو داعیٔ اعظم تھے، انہوں نے بھی مولانا وحید الدین خان کے 'معیارِ دعوت' کے مطابق ۲۸ رغزوات میں شریک ہوکر عرب قبائل کے اسلام قبول کرنے کے امکانات کو معاذ اللہ خراب ہی کیا تھا۔ اس سے زیادہ اسلامی تاریخ سے لغو، غیر منطقی اور بھونڈا استنباط اور اسلامی دعوت کے اسلوب کا اس سے زیادہ مسخ شدہ تصور شاید ہی کسی اسلامی مبلغ نے پیش کیا ہو۔ مولانا وحید الدین خان دوسروں پر 'خدا کے غضب کو بھڑکانے' کا الزام لگا کر خود اسلامی تاریخ کے مستند حقائق کو اپنے خود ساختہ عقلی معیارات کے انگاروں پر رکھ کر سلگانے کے غضب انگیز فعل کے مرتکب ہوئے ہیں۔

③ ناموسِ رسالت ﷺ کا تحفظ مسلمانوں کے نزدیک دین کی اَساس ہے۔ جیسا کہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتکریم ہی مذہب کی بنیاد ہے اور یوں اس سے محرومی مذہب سے انحراف ہے'' مگر دورِ جدید کا ایک بدبخت، برخود غلط مبلغ اسلام کس دھڑلے سے کہہ رہا ہے کہ 'شتم رسول' کے خلاف مسلمانوں کی سرگرمی ایک 'دعوت کش' سرگرمی ہے اور اس کی فکری لغویت کی معراج کا بھی اندازہ کیجئے کہ وہ جذباتی تشنج سے یہاں تک کہہ جاتا ہے ''اینٹی رشدی ایجی ٹیشن بلاشبہ لغویت کی حد تک غیر اسلامی تھا'' یہ فتویٰ مولانا وحید الدین خان کے ظلمت مآب فتویٰ خانہ کی جعلی ٹکسال کا کوئی سکہ تو ہوسکتا ہے، مگر اس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ مولانا موصوف 'شتم رسول کے خلاف سرگرمی' کو 'غیر اسلامی' قرار دینے سے پہلے اگر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ''**الصارم المسلول علی شاتم الرسول**'' کے علاوہ علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ کی کتاب ''**السیف المسلول علی من سب الرسول**'' اور علامہ زین العابدین شامی رحمہ اللہ کی ''**تنبیه الولاة والحکام علی أحکام شاتم خیر الأنام**'' اور علامہ ابن الطلاع اندلسی رحمہ اللہ کی مایہ ناز تالیف ''**أقضیة الرسول**'' کا بالاستیعاب مطالعہ فرمانے کا تردد کرلیتے تو ان پر اپنی جہالت کا انکشاف کوئی ناممکن امر نہیں تھا، لیکن انہوں نے تو اپنے مخصوص تصورات کی تبلیغ کے لئے قرآن وسنت سے محض اپنے مطلب کے ان حوالہ جات کے انتخاب کا شغل اختیار کر رکھا ہے جس سے ان کے خانہ زاد اسلام کی تائید کا پہلو نکلتا ہو۔ دورِ جدید میں مولانا وحید الدین خان سوئے تاویل کا میٹھا زہر گھول کر نوجوان اَذہان کو متاثر کرنے کا جو فن جانتے ہیں، اس میں بہت کم لوگ ان کی ہمسری کا دعویٰ کرسکیں گے۔ اسلام میں توہین رسالت کا اِرتکاب ہمیشہ ایک سنگین جرم سمجھا جاتا رہا ہے اور اس کے مرتکب کے لئے سزائے موت کا مسئلہ رسولِ کریم ﷺ کے دورِ اَقدس سے لے کر آج تک ملت ِاسلامیہ میں کبھی بھی مختلف فیہ نہیں رہا۔ مگر 'وحید خانی فتنہ' کی جسارتیں ملاحظہ کیجئے کہ وہ اسے ایک 'دعوت کش' اور 'لغویت کی حد تک غیر اسلامی' قرار دینے میں کسی شرمساری کا شکار نہیں ہوتے۔

④ ملعون رشدی کے خلاف مسلمانوں کے احتجاج کی وجہ بقول وحید الدین خان 'دعوتی شعور سے محرومی' اور اس کسوٹی سے ان کا ہاتھ دھو بیٹھنا ہے جس سے وہ جانچ سکیں کہ اسلام کی روش کیا ہے۔ اگر وحید الدین خان کے نزدیک اسلام کا 'دعوتی شعور' یہی ہے تو پھر یقین کرنا پڑے گا کہ اس سے بڑا 'فتور' کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ وحید خان

صاحب مسلمانوں میں جس درجے کا 'دعوتی شعور' پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے عواقب و نتائج کے اعتبار ایک بہت بڑا فتنہ اور ایک دین کش فتور ہے۔ ایسے دعوتی شعور کو مسلمان پائے حقارت سے ٹھکراتے ہیں کہ جو انہیں ناموسِ رسالت کے مسئلہ کے بارے میں بے غیرت و بے حمیت بنا دے اور جو رشدی جیسے ملعون شاتم رسول کے خلاف انہیں احتجاج برپا کرنے سے باز رکھے۔ اگر یہی 'دعوتی شعور' خدانخواستہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میں بھی پیدا ہو جاتا تو وہ کبھی ایک شاتم رسول کی گردن نہ اُڑاتے۔ مصنف عبدالرزاق میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ کو گالی دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جو مجھے میرے دشمن سے بچائے'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: 'میں' چنانچہ زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے للکارا اور قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کا سامان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دلوا دیا'' [۵/۲۳۷،۳۰۷] مولانا وحید الدین خان اگر اَخلاقی جرأت رکھتے ہیں تو برملا اِعلان کریں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی یہ سرگرمی بھی 'غیر اسلامی' تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بھی اس عورت کو قتل کر دیا تھا جو رسول اکرم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ [مصنف عبد الرزاق:۱۹۷۰۵] مسلمان فقہاء کا اجماع ہے کہ شاتم رسول 'مباح الدم' (جس کا خون جائز ہو) ہے۔ مذکورہ بالا معروف کتب میں ایسے درجنوں واقعات درج کئے گئے ہیں جن میں شاتم رسول کو قتل کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ مگر ہندوستان کا مالیخولیا اور اَخلاقی بزدلی کا شکار، بزعم خویش داعیٔ اسلام آج 'شتم رسول' کی سرگرمی کو 'دعوت کش' اور 'غیر اسلامی' کہہ کر اپنی گمراہ کن فکر کا پرچار کر رہا ہے۔ مولانا وحید الدین خان کی فکر کے 'گمراہ' ہونے کے لئے محض یہی بات ہی کافی ہے کہ وہ ناموسِ رسالت کے تحفظ کے بارے میں بے حمیتی کا شکار ہے۔

⑤ مولانا وحید الدین خان کو مسلمانوں سے شکایت ہے کہ ''کوئی شخص یا گروہ اگر ذرا بھی ان کے خلافِ مزاج بات کرے تو وہ فوراً مشتعل ہو کر اس سے لڑنے لگتے ہیں'' بھارت کے اس عقل پرست مسلمان متجدد کی بے حسی کا کس قدر نوحہ رقم کریں۔ وہ ملعون رشدی کے معاملہ پر کتاب لکھ رہا ہے۔ مگر رشدی کی گستاخی کو 'ذرا بھی خلافِ مزاج' بات سمجھتا ہے۔ اگر اس نے رشدی کی کتاب پڑھی ہے اور پھر بھی اس کی رائے میں 'ذرا سی' بات ہے تو سمجھ لینا چاہیے۔

عزت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے

رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات سن کر یا گستاخی کا کوئی مظاہرہ دیکھ کر اگر کوئی مسلمان اشتعال میں نہیں آتا تو وہ بلاشبہ بے حمیت ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ ''کوئی مسلمان اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ محبوب نہ جانے۔'' [صحیح البخاري:۱۴] آج کے دور میں اگر ایک مسلمان حتیٰ کہ غیر مسلم اپنی ماں کے خلاف غلیظ گالیاں سنتا ہے اور پھر اس پر خاموش رہتا ہے تو اس کو 'بے غیرت' کہا جائے گا۔ جب حضور اکرم ﷺ سے محبت ماں باپ سے محبت سے بھی زیادہ ہو تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی مسلمان آپ ﷺ کے خلاف گستاخی پر اشتعال میں نہ آئے۔ اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرتِ مبارکہ کا مطالعہ تو ظاہر کرتا ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے خلاف معمولی سی گستاخی بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی کو محض اس بنا پر قتل کر دیا کہ اسے حضور اکرم ﷺ نے جو فیصلہ کیا تھا اس پر

اعتماد نہیں تھا اور وہ حضرت عمرؓ سے فیصلہ کرانے آ گیا تھا۔ حضرت عمرؓ تو معمولی معمولی باتوں پر تلوار نکال لیتے تھے۔ یہ ان کی غیر متوازن جذباتیت نہیں بلکہ دینی حمیت کا اظہار تھا۔

یہاں مولانا وحید الدین خان کے فکری تضادات اور دوہرے معیارات کا پول کھولنا بھی مفید معلوم ہوتا ہے۔ موصوف 'شتم رسول کا مسئلہ' میں لکھتے ہیں: ''ناگوار باتوں پر مشتعل ہوجانے کی اس فہرست میں سب سے نمایاں چیز وہ ہے جس کو 'ناموسِ رسول پر حملہ' یا رسول کی شان میں گستاخی جیسے جذباتی الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے''۔ اور کہتے ہیں اس کا ''اسلام تو درکنار عقل و ہوش سے بھی دور کا تعلق نہیں ہے'' مگر اپنے ماہنامہ الرسالۃ کے جون ۱۹۹۹ء کے شمارے میں جماعت اسلامی ہندوستان کے سینئر رکن مولانا جمیل احمد صاحب کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ نے میرے بارے میں غضب (غصہ) کی شکایت کی ہے اور یہ اشارہ فرمایا ہے کہ آپ اپنی تحریروں میں سکینت اور روحانیت کا اظہار کرتے ہیں مگر آپ کے اندر میں نے غضب کا جذبہ پایا ہے اور غضب اور روحانیت کا ایک ساتھ جمع ہونا ممکن نہیں ہے۔ میں عرض کروں گا کہ آپ کی یہ بات درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روحانی آدمی کے اندر غضب نہ ہونے کا تصور ایک غیر اسلامی تصور ہے وہ کوئی اسلامی تصور نہیں۔ اس معاملہ میں صحیح اسلامی تصور یہ ہے کہ آدمی کا غضب صرف حق کے لئے ہو وہ اپنی ذات کے لئے نہ ہو، اس کی تائید میں یہاں میں چند حوالے نقل کرتا ہوں:

''حضرت موسیٰ خدا کے پیغمبر تھے مگر قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر غضب کی حالت طاری ہوئی [الأعراف:۱۵۰] اسی طرح اگر آپ حدیث کی کتابوں کو دیکھیں تو اس میں کثرت سے رسول ﷺ اور اصحابِ رسول کے غضب کا ذکر ملے گا۔ اس سلسلہ میں بطورِ نمونہ صرف چند مثالیں یہاں نقل کی جاتی ہیں:

① ''فَغَضِبَ رسول الله حتى عرف الغضب في وجهه''...... [صحیح مسلم، کتاب الفضائل]

② ''فغضب رسول الله غضبا شديدا''...... [صحیح البخاری، کتاب الاذان]

③ ''فغضب أبوبكر''...... [صحیح البخاری، کتاب الادب]

④ ''فغضب عمر''...... [صحیح البخاری، کتاب الادب]

⑤ ''فغضب عليّ حتى أحمر وجهه''...... [النسائي، کتاب الضحايا]

⑥ ''فقالت عائشة و غضبت''...... [مسند أحمد، ص ۳۸،۳۷]

کوئی صاحبِ عقل و دانش یقین نہیں کرے گا کہ یہ دو اقتباسات کسی ایک مصنف کے ہیں۔ مگر جو وحید الدین خان کے فکری انتشار، ذہنی خلفشار اور دوہرے معیارات سے بخوبی واقف ہیں، انہیں اس پر کوئی حیرت نہیں ہوگی۔ وحید الدین خان صاحب سوئے تاویل کے فن میں یکتا ہیں وہ ایک اونچے درجے کے گھاڑو ہیں۔ اپنی ذات میں غضب کی صفت کے دفاع کے لئے کس طرح قرآن و کتبِ احادیث سے دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں۔ یہاں بتا رہے ہیں کہ ایک روحانی آدمی کے اندر غضب نہ ہونے کا تصور ایک غیر اسلامی تصور ہے۔ مگر اس کائنات کی عظیم ترین ہستی کی توہین پر اگر ایک مسلمان غضب کا مظاہرہ کرتا ہے تو یہی سوئے تاویل کا بادشاہ مصنف اسے 'ناگوار باتوں کی فہرست میں سب سے نمایاں چیز' بنا کر دکھاتا ہے۔ مولانا وحید الدین خان جو اپنے آپ کو 'عقل مجسم' اور اپنی ہر تاویل کو ایک 'علمی دلیل' کہنے پر اصرار کرتے ہیں، وہ اس فکری تضاد کے متعلق کیا ارشاد فرمائیں گے؟ ان کی دونوں باتوں میں سے ایک بات تو یقیناً غلط ہے۔ اب وہ خود ہی بتائیں کہ اول الذکر بات درست ہے یا مؤخر الذکر۔ ان کے اپنے

فکری تضادات نے انہیں برصغیر پاک و ہند کا سب سے بڑا متنازعہ فیہ اور تناقض فکر میں مبتلا 'اسلامی سکالر' بنا دیا ہے۔

⑥ مولانا وحید الدین خان مسلمانوں کو جس 'صبر اور اعراض' کی تلقین فرما رہے ہیں وہ بے غیرتی اور بے حمیتی کے زمرے میں آتی ہے۔ اگر وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی کمزور پوزیشن کے نتیجہ میں اس اخلاقی بزدلی کا شکار ہوگئے ہیں تو انہیں اس بزدلی میں مسلمانوں کو شریک ہونے کی دعوت نہیں دینی چاہئے۔ یہ ان کے ارادہ کی پستی ہے جو انہیں دوسری اقوام سے متحارب ہونے نہیں دیتی۔ اور وہ بے حد بے شرمی سے اسے 'رسولؐ اور اصحاب رسول کا طریقہ' بھی بتلاتے ہیں۔ یہ محض ان پر الزام تراشی ہے۔ رسولِ اکرمؐ کے صحابہ کا یہ طرزِ عمل ہرگز نہیں تھا۔ یہ جو انہوں نے مسلمانوں اور غیر اقوام میں 'داعی اور مدعو' کا تصور پیش کیا ہے یہ ان کا خانہ زاد تصور ہے۔ اسلام کے تصورِ دعوت میں 'جہاد' بھی ایک مستقل عمل ہے اور جہاد تصادم اور تحارب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مسلمانوں کا جہاد بذاتِ خود ایک دعوت ہے۔ مولانا وحید الدین خان کی سوچ پر اگر ہندوستان کے مسلمان عمل کرنا شروع کردیں تو دو چار نسلوں کے بعد ان کی حالت وہی ہوگی جو سپین کے مسلمانوں کی ہوئی تھی۔ وہ مسلمانوں میں بزدلی، بے غیرتی اور بے حمیتی کو پروان چڑھانا چاہتے ہیں جو مسلمانوں کے تشخص اور وجود کے لئے سم قاتل ہوگی۔ وحید الدین خان نے فرض کر رکھا ہے کہ اگر مسلمان دوسری اُقوام کے خلاف عسکری جدوجہد نہیں کریں گے تو وہ خود بخود دائرہ اسلام میں شامل ہوجائیں گی۔ انہیں اس بات کی ہرگز پرواہ نہیں ہے کہ اگر مسلمان جدوجہد نہ بھی کریں تو دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیاں خود بخود ختم نہیں ہوجائیں گی۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے آخر اکثریتی فرقہ کے خلاف کتنی جارحانہ کارروائیاں کی ہیں۔ انہوں نے عام طور پر صبر کا مظاہرہ کیا ہے۔ مگر اس کا نتیجہ کیا سامنے آیا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخی بابری مسجد کو ہندو جنونیوں نے مسمار کردیا۔ ہندو راہنما بال ٹھاکرے مسلمانوں کو بھارت چھوڑ کر نکل جانے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ وہ انہیں ہندو بنانا چاہتا ہے۔ ایسے حالات میں وحید الدین خان صاحب کا نسخہ تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ اب تو عزیمت، جرأت اور جارحانہ پیش قدمی کی ضرورت ہے۔ یہی وہ ہتھیار ہیں جن سے مسلح ہوکر وہ اُقلیت کے باوجود اُکثریت کی مخالفانہ کاروائیوں کا سامنا کرسکتے ہیں۔

⑦ گذشتہ دس سالوں کے دوران پیش آمدہ واقعات اور مجرد حقائق نے مولانا وحید الدین خان کے خدشات و مفروضات کو بے جا اور ان کی سوچ کو غلط اور گمراہ کن ثابت کیا ہے۔ سلمان رُشدی ملعون کے خلاف احتجاج نے امریکہ، یورپ میں دعوتِ اسلام کے اِمکانات کو ختم نہیں کیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دس سالوں کے درمیان امریکہ و یورپ میں جس قدر خواتین و حضرات نے اسلام قبول کیا ہے، وہ تعداد بیسویں صدی کے دیگر نو عشروں کی اجتماعی تعداد سے بھی زیادہ ہے۔ اسلام تیزی سے یورپ و امریکہ میں پھیل رہا ہے۔ فرانس میں اسلام دوسرا بڑا مذہب بن چکا ہے۔ بالخصوص یورپ و امریکہ کی خواتین اسلام کے آفاقی پیغام سے متاثر ہوکر اسلام قبول کر رہی ہیں۔ مگر وحید الدین خان کا اُسلوبِ دعوت کوئی نتائج دینے میں ناکام رہا ہے۔ وہ گذشتہ سالوں میں راشٹریہ سیوک سنگھ کے جلسوں میں شریک ہوتے رہے ہیں اور ایک بھی ہندو کو اب تک مسلمان نہیں کرسکے۔ تو پھر اس دعوت کا فائدہ اور مقصد کیا ہے۔ وحید خانی روحانیت محض ایک فراڈ، ڈھونگ اور ایک اَفیون ہے، اس کا اسلام کی

تعلیمات سے محض نام کی حد تک تعلق ہے۔ وحید خانی فکر ایک ایسا تارِ عنکبوت ہے جس میں کمزور سے کمزور مکھی کو بھی پھانسنے کی طاقت نہیں ہے۔

وحید الدین خان نے قلمی بداحتیاطی یہ کی ہے کہ خنزیر رُشدی کے ہفواتی ناول کے ان حصوں کو بھی ہو بہو نقل کر دیا ہے کہ جن کا زبان پر لانا تو کجا، ایک مسلمان کے لئے تصور میں لانا بھی ایک اذیت ناک تجربے سے کم نہیں ہوتا اور ایسے الفاظ کو 'نقل کفر کفر نہ باشد' کی تاویل کا سہارا لے کر بھی نقل کرنا دشوار ہوتا ہے۔ راقم الحروف نے بارہا اس بات پر غور کیا ہے کہ ان الفاظ کو اپنے مضمون میں نقل کرے یا نہیں۔ ہر بار دل کانپ اٹھتا تھا اور قلم کی زبان پر لرزش اور لکنت طاری ہو جاتی تھی۔ مگر جب وحید الدین خان کے بعد کے آنے والے ابواب پر غور کرتا تو پھر ایک ذہنی کشمکش سے دوچار ہونا پڑتا۔ وحید الدین خان نے صفحات کے صفحات یہ دکھانے کے لئے رقم کئے ہیں کہ ملعون رُشدی کی گستاخی بھی ویسے ہی ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں یا بعد میں بعض گستاخانِ رسول کی گستاخیاں تھیں۔ اس کے خیال میں جس طرح قریش مکہ کی گستاخیوں کو رسول اکرم ﷺ نے معاف فرما دیا تھا، بالکل اسی طرح دورِ جدید کے مسلمانوں کو رشدی کے ساتھ اعراض کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ راقم کے نزدیک وحید الدین خان کی کتاب کا سب سے قابل اعتراض اور مردود پہلو یہی ہے۔ وہ عام قاری کے ذہن کو منتشر کر کے اسے رُشدی کے خلاف سکوت اختیار کرنے کے لئے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ وحید الدین خان نے رشدی کی کتاب سے یہ الفاظ نقل کرتے ہوئے اپنے بھونڈے اُصول کی بھی خود خلاف ورزی کی ہے۔ وہ اپنی کتاب میں متعدد مرتبہ یہ لکھ چکے ہیں کہ اگر مسلمان رُشدی کی ہفوات کے خلاف احتجاج نہ کرتے تو کوئی بھی اس کو نہ پڑھتا اور نہ ہی کسی کو علم ہوتا کہ اس نے کیا گستاخی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''سلمان رشدی نے اپنے بے ہودہ خیالات صرف اپنی کتاب میں لکھے تھے مگر مسلمانوں کے شور و غل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی باتیں تمام دنیا کے اخبارات و رسائل میں چھپیں'' [ص: ۱۳۷] مگر وہ اپنے اصول پر خود قائم نہ رہ سکے۔ اپنی تائید میں انہوں نے پاکستان کی سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کا یہ بیان بھی درج کیا ہے:

> ''توہین عقیدہ کو دہرانا بھی ویسا ہی گناہ ہے جیسا بجائے خود توہین کرنا۔ انہوں نے کہا کہ اس بات کے مدِنظر میرے خیال سے بنیاد پرست مذہبی لوگ بھی رُشدی کے ناول اور اس کے قابل اعتراض موضوعات کی تشہیر کر کے اسی گناہ کا اِرتکاب کر رہے ہیں جس کا ارتکاب رشدی نے کیا ہے۔'' [ص: ۹۹]

مگر خاموشی، اعراض اور نظر انداز کرنے کی تبلیغ کرنے والا مصنف خود ہی ان حصوں کو نقل کر کے اپنے وضع کردہ معیار کے مطابق 'گناہ' کا مرتکب ہوا ہے۔ اُردو دان طبقہ جس نے ملعون رشدی کی کتاب کو براہِ راست نہیں پڑھا تھا، اب وحید الدین خان کی کتاب کو پڑھنے کے بعد ان گستاخانہ الفاظ سے واقف ہو گیا ہے۔

راقم الحروف نے تہیہ کیا تھا کہ وحید الدین خان کی کتاب سے وہ اِقتباسات نقل نہ کرے مگر وحید الدین خان کی قلمی بدعنوانی اور رشدی کی گستاخی کی سنگینی اور شدت کو واضح کرنے کے لئے مجبوراً دل پر ہاتھ رکھ کر ان الفاظ کو نقل کرنے پر مجبور ہوا ہے۔ اے دلوں کے حال جاننے والے رب! مجھے اس 'نقل کفر' کے گناہ سے معاف فرما۔ تو جانتا ہے کہ ان کو نقل کرنا میرے لئے کس قدر کربناک ہے!

اسم محمد ﷺ کی جگر پاش اہانت

سگِ مغرب، ملعون رشدی نے وجۂ تخلیق کائنات، امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے مقدس، منزہ و مبارک نام کے متعلق کیا انگارے برسائے ہیں؟ وحید الدین خان کے الفاظ میں:

''مصنف نے کتاب کا نام (شیطانی کلام) بطورِ خود اس کے اساسی کردار 'محاؤنڈ' (Mahound) کی نسبت سے استعمال کیا ہے جو کہ نعوذ باللہ حضرت محمد ﷺ کے نام کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔'' [ص: ۳۸]

''سلمان رشدی نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک توہین آمیز نام محاونڈ (Mahound) کا استعمال کیا ہے۔ یہ نام بلاشبہ اشتعال انگیز حد تک لغو ہے۔ انگریزی میں ہاؤنڈ کا لفظ کتے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ "Ma" انگریزی لفظ مائی "My" کا مخفف ہے۔ اس طرح محاؤنڈ کا دوسرا مطلب (نعوذ باللہ، نقل کفر کفر نہ باشد) ہے: 'میرا کتا' [ص: ۳۶]

خدائے بزرگ و برتر اس خنزیر رشدی کو دین و دنیا میں رسوا کرے اور اس پر آسمان کے ستاروں اور ریت کے ذروں برابر لعنتیں برسیں جس نے اپنی مکروہ خنزیری تھوتھنی سے یہ الفاظ کائنات کی پاکیزہ ترین ہستی کے لئے استعمال کئے مگر وحید الدین خان نے اس کی سخت ترین مذمت کرنے کی بجائے اس کے وکیل صفائی کا فریضہ انجام دے کر مسلمانوں کے دلوں پر یوں خنجر چلائے ہیں:

''پیغمبر اسلام کے لئے یہ بے ہودہ نام سلمان رشدی کی ذاتی ایجاد نہیں ہے۔ یہ صلیبی جنگوں (۱۰۹۶ تا ۱۲۷۱) کے بعد یورپ میں گھڑا گیا۔ یورپ کی مسیحی قومیں جب دو سالہ صلیبی جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں ناکام ہوگئیں تو انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کو بدنام کرنے کے لئے بہت سی پست حرکتیں کیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ انہوں نے آپ ﷺ کے نام کو طرح طرح سے بگاڑا۔ ایک بگڑا ہوا نام یہ لفظ (Mahound) ہے۔ مگر پچھلے سات سو سال کے اندر اس گستاخی کی بنیاد پر کسی کو بھی قتل کی سزا نہیں دی گئی اور نہ اس قسم کا فتویٰ جاری کیا گیا۔''

''سلمان رشدی نے پیغمبر اسلامؐ کے لئے جو گستاخانہ نام 'محاونڈ' استعمال کیا ہے وہ صلیبی جنگوں کے بعد کے دور میں یورپ میں وضع کیا گیا۔ مگر اس وقت کے علماءِ اسلام نے یہ فتویٰ نہیں دیا کہ جن لوگوں نے یہ گستاخانہ نام وضع کیا ہے۔ انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیا جائے۔'' [ص: ۳۶]

قارئین کرام! ذرا اندازہ فرمایئے وحید الدین خان کس طرح رشدی کی بھونڈی وکالت پر اتر آئے ہیں۔ وہ بالواسطہ بتانا چاہتے ہیں کہ چونکہ 'محاونڈ' کا لفظ ملعون رشدی کی ذاتی ایجاد نہیں ہے لہٰذا وہ سزا کا مستحق نہیں ہے، یعنی اصل سزا تو اسے دی جائے جس نے پہلی مرتبہ یہ لفظ ایجاد کیا۔ ان کے اس پست استدلال سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی کسی کو گالی نکالے تو اسے کچھ نہ کہو، فوراً تلاش کرو کہ یہ گالی ایجاد کرنے والا پہلا شخص کون تھا؟ اگر اس کی نشاندہی ہو جائے تو پھر یہ تشخیص کرو کہ آیا اسے اس 'ایجاد' پر سزا بھی ملی تھی یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر دوسری مرتبہ اس کی ایجاد کردہ گالی کو دہرانے والے کو خواہ مخواہ قصوروار کیوں ٹھہراتے ہو؟ 'محاونڈ' تو وہ غلیظ گالی ہے جسے جدید یورپ کے سنجیدہ مسیحی راہنما بھی سخت قابل اعتراض سمجھتے ہیں مگر وحید الدین خان کے نزدیک رشدی جو کہ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا، اس قدر قصوروار نہیں ہے کہ اس کو سزا دی جائے۔ وہ تو بس اسے نظر انداز کرنے کی وکالت کرتے ہیں۔

وحید الدین خان کا یہ مطالبہ جتنا لغو ہے اتنا عجیب بھی ہے کہ اس وقت کے علماء نے صلیبی مصنّفین کے بارے میں

اگر فتویٰ دیا تھا تو پیش کرو۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ علماء نے کہاں لکھا ہے کہ انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیا جائے۔ ......اس سلسلہ میں ہم وحید الدین خان سے جواباً یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ہمیں تاریخ سے ڈھونڈ کر ایک مثال دکھا دیں جب کسی مسلمان عالم دین کے سامنے کسی کا نام لے کر یہ کہا گیا ہو کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کے لئے لفظ 'محاؤنڈ' استعمال کیا ہے اور اس عالم دین نے اس کے خلاف قتل کا فتویٰ نہ دیا ہو۔ متعصب تنگ نظر مسیحی پادریوں نے یہ بکواس اپنی مادری زبان میں کی تھی جس کے متعلق مسلمان علما کا علم صفر تھا۔ آخر انہیں کیسے پتہ چلتا کہ سمندر پار یورپ میں کسی سگ یورپ نے رسالت مآب ﷺ پر یہ بھونک لگائی ہے۔ جب انہیں اس کا علم نہیں تھا تو اس پر فتویٰ کیسے دیتے۔ آج بھی برصغیر پاک و ہند کے علماء کی اکثریت سے اگر سوال کیا جائے کہ انہوں نے یہ لفظ 'محاؤنڈ' وحید الدین خان کی کتاب کے علاوہ بھی کہیں پڑھا ہے تو ان کا جواب نفی میں ہوگا۔ تو وحید الدین خان کیا دیوانے ہوگئے ہیں، انہوں نے یقیناً اپنی عقل کو وقتی طور پر رخصت پر بھیج دیا ہوگا جب وہ یہ مطالبہ مسلمانوں سے تحریری طور پر کر رہے تھے۔

دوسری بات یہ بھی غور طلب ہے کہ اس طرح کی سنگین گستاخی کے لئے فتویٰ تو ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ نئے فتویٰ کے جاری کرنے کی ضرورت تو اس وقت پیش آتی ہے جب وہ مسئلہ نئے سرے سے باقاعدہ نام کے ساتھ پیش کیا جائے۔ صلیبی جنگوں کے دوران مجاہدِ اسلام صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کو اگر علم ہو جاتا کہ کسی صلیبی نے یہ بکواس کی ہے تو وہ ان کی گردن اڑا دیتا۔ اگر وہ اس کی پہنچ سے باہر ہوتا تب بھی وہ اس کو گرفتار کرا کے قتل کرنے کے لئے تمام ذرائع استعمال میں لاتا۔

ایک دوسرے مقام پر وحید الدین خان ملعون رشدی کی بدترین دریدہ دہنی اور شیطانی ہفوات کو ایک 'معمول کی کارروائی' اور ایک محض عام سی استہزا دکھا کر اس کو معاف کرنے کے لئے لغو دلیل لے آئے ہیں:

> ''سلمان رشدی نے اپنی کتاب میں پیغمبر اسلام ﷺ کا نام 'محاؤنڈ' (Mahound) لکھا ہے۔ یہ ایک استہزائی نام ہے۔ جس طرح بعض لوگ وہابی کو وہابڑا اور دیوبندی کو دیوبندے وغیرہ کہتے ہیں، اسی طرح سلمان رشدی نے آپ ﷺ کے لئے اس بگڑے ہوئے نام کو استعمال کیا ہے جو صلیبی جنگوں کے بعد یورپ کے عیسائیوں نے آپ کے لئے گھڑا تھا......اس مجرمانہ حرکت کی مثال بھی زمانہ نبوت میں موجود ہے۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نام اگرچہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے محمد ﷺ رکھا تھا، مگر مکہ کے قریش نے استہزائی طور پر آپ کا نام مذمم رکھ دیا۔ محمد ﷺ کے معنی ہیں تعریف کیا ہوا جبکہ مذمم کے معنی ہیں: مذمت کیا ہوا۔'' [ص:۵۱]

جناب! آپ کی عقل ٹھکانے نہیں ہے۔ 'محاؤنڈ' محض ایک 'استہزائی نام' نہیں ہے یہ رذیل ترین گالی ہے۔ وہابی کو وہابڑا کہنے میں اور محمد ﷺ کو (نعوذ باللہ) 'محاؤنڈ' کہنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہابڑا ایک بگڑا ہوا مہمل لفظ ہے جس کا کوئی دوسرا مطلب نہیں ہے۔ مگر 'محاؤنڈ' کا مطلب آپ خود ہی لکھ چکے ہیں۔ یہ کوئی مہمل اور بے ضرر لفظ نہیں ہے۔ یہ کوئی نام بھی نہیں ہے یہ ایک گالی ہے جو یورپ کے غلیظ پادریوں نے حضور ﷺ کی سخت تحقیر کے لئے سوچی سمجھی سازش کے تحت گھڑی تھی جس کا اعتراف آپ خود کر چکے ہیں۔ نہ ہی اس کا کوئی قریبی تعلق 'دیوبند' کے 'دیوبندے' سے کوئی اشتراکِ معانی یا مفہوم بنتا ہے۔ دیوبند ایک شہر کا نام ہے۔ اگر اس طرح آپ کا مذاق اڑایا جاتا تو مدینہ یا مکہ کے نام کو بگاڑ کر آپ کو اس سے نسبت دی جاتی۔ بے حد تعجب ہے وہ اس فرق کی اہمیت کو یکسر ختم کر دینا چاہتے ہیں، کیونکہ ان کے سر پر ملعون رشدی کی صفائی کا بھوت سوار ہے جس نے ان کو قطعی طور پر مخبوط الحواس اور فاتر

العقل بنا کے رکھ دیا ہے۔ اب وہ مختلف الفاظ اور اشیاء کے درمیان فرق مراتب قائم کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ہیں۔

وحید الدین خان نے مسلمان راہنماؤں کے خلاف لکھا ہے:

''کچھ لوگ رنگ کے اندھے (Colour blind) ہوتے ہیں، انہیں ایک رنگ دکھائی دیتا ہے اور دوسرا رنگ بالکل نظر نہیں آتا'' [ص:۶۵]

ہمارے خیال میں اس جملے کا اصل مصداق خود وحید الدین خان سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔ وہ 'محاونڈ' اور 'وہابڑے' کے درمیان کوئی امتیاز اور فرق دیکھنے کی صلاحیت سے محروم دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے عقل کی اندھی آنکھ ایک رذیل ترین گالی اور ایک مہمل سے استہزائی لفظ کو ایک سطح پر دیکھتی ہے۔ ایسی صورتحال میں غالب کا یہ شعر بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

دل کو روؤں یا پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

یہاں علمی اعتبار سے یہ نشاندہی ضروری ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے نام کو بگاڑ کر جو لفظ صلیبیوں نے گھڑا وہ تھا Mahomet یا Maumet آکسفورڈ ڈکشنری میں اس کی اٹھارہ شکلیں بتائی گئی ہیں۔ جیسا کہ پی کے ہٹی نے اپنی کتاب "Islam and The West" میں لکھا ہے: ''لفظ Mahomet خود محمد کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔''

"Mahound" تو صریحاً غلیظ اور خبیث گالی ہے۔ یہ نام محمد کی بگڑی صورت نہیں ہے۔ اسی طرح 'مذمم' بھی لفظ محمد ﷺ کی بگڑی ہوئی صورت نہیں ہے۔ یہ لفظ 'محمد ﷺ' کا ہم وزن ضرور ہے مگر اس کا الگ اپنا مطلب ہے۔ اس کو بھی 'وہابی اور وہابڑے' جیسے لفظی بگاڑ میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ وحید الدین خان 'مدعی سست گواہ چست' کی قابل رحم تصویر بنے ہوئے ہیں۔ خود ملعون رُشدی نے ایسی کوئی بھی وضاحت اپنے بیان میں نہیں کی۔ اس نے اپنے ایک بیان میں محض اتنا کہا ''یہ کتاب مذہب اور الہام کے بارے میں ایک سیکولر آدمی کا نقطہ نظر بیان کرنے کی کوشش ہے''

[ٹائمز آف انڈیا، ۸/اکتوبر ۱۹۸۸ء]

رُشدی اور دیگر گستاخانِ رسول کے الفاظ کا موازنہ

رُشدی بدمعاش کی طوائف القلمی اور دیگر گستاخانِ رسول کے جسارت آمیز الفاظ میں وہی فرق ہے جو ایک شعلۂ جوالہ اور ایک معمولی سی چنگاری میں ہوتا ہے۔ ایک چنگاری لباس کے جس حصے پر پڑے گی، تو یقیناً وہاں سوراخ کردے گی مگر ایک شعلہ جوالہ یا آگ کا لبعہ لباس کو ہی نہیں اس جسم کو بھی خاکستر کر کے رکھ دے گا، لیکن ہمارے 'ممدوح' وحید الدین خان نے اسلامی تاریخ سے بزعم خویش بہت سے گستاخانِ رسول کی فہرستیں نکال کر پیش کی ہیں، جو ان کے خیال میں رشدی کی ہی سطح کے گستاخ تھے۔ اور ان تمام افراد کو بوجوہ سزا نہ ملنے کو وہ اپنے مؤقف کے حق میں 'برہانِ قاطع' سمجھتے ہیں اور پھر سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر ان کو معاف کر دیا گیا تھا تو پھر رشدی کا جرم کون سا نرالا ہے کہ اس کے خلاف اس قدر اشتعال کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے؟ ہم اوپر وحید الدین خان کی کتاب سے ہی رشدی ملعون کی ہفوات نقل کر چکے ہیں۔ ذیل کی سطور میں انہی کے پیش کردہ دیگر گستاخان کے الفاظ اور کلمات کو درج کرتے ہیں

اور پھر فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیں گے کہ وہ خود ہی انصاف سے کام لیں کہ رشدی کے ہفوات اور دیگر افراد کے کلمات کیا ایک سطح کے ہیں؟اور پھر وحید الدین خان کو بھی چیلنج کریں گے کہ وہ گذشتہ چودہ صدیوں کے دوران کسی نام نہاد مسلمان گھرانے میں پیدا شدہ 'مسلمان' تو ایک طرف، کسی مسیحی گستاخ کو تاریخ کے کونے کھدرے سے ڈھونڈ کر لائیں جس کی تحریر میں اس قدر کثرت سے رذیل الفاظ کا استعمال، اس دیدہ دلیری اور دریدہ دہنی کے ساتھ کیا گیا ہو۔ اگر نہیں تو پھر وحید الدین خان کو اپنے تجزیہ کی اس فاش غلطی پر امتِ مسلمہ سے معافی مانگنی چاہئے اور خداوند کے حضور توبہ کرنی چاہئے۔

رسول اکرم ﷺ کی نبوت کے ابتدائی سالوں کے دوران قریش مکہ کے سلوک کا ذکر کرتے ہوئے وحید الدین خان رقم طراز ہیں:

"واقعات بتاتے ہیں کہ آپؐ نے جب عربوں کے سامنے اپنی پیغمبرانہ دعوت پیش کی تو انہوں نے آپؐ کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا۔ انہوں نے آپ کو عملی طور پر ستانے کے علاوہ آپؐ پر طرح طرح کے برے القاب چسپاں کئے۔ ان میں سے چند اَلقاب نعوذ باللہ یہ تھے:

متقول، بات بنانے والا......ساحر، جادوگر......مجنون، دیوانہ......کذاب، بہت جھوٹ بولنے والا

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" جب ہم اس اعتبار سے دورِ اول کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ قسم کی گستاخی کرنے والے غیر مسلموں کے خلاف کبھی بھی اس طرح کی کارروائی نہیں کی گئی جو موجودہ مسلمانوں نے کی یا کر رہے ہیں۔" [ص: ۲۱،۲۲]

① عبداللہ ابن اُبی

عبداللہ ابن اُبی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے والوں میں شامل تھا۔ تین مجرموں کو قذف کی سزا دی گئی۔ عبداللہ بن اُبی کو سزا نہ دی گئی۔ اس کی ایک وجہ تو حضور اکرم ﷺ کی اس سے 'خصوصی رعایت' تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے وہ مدینہ کے حاکم بننے کی تیاری مکمل کر چکا تھا، جب آپؐ آگئے تو اسے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلامی تاریخ کے بعض مؤرخین نے حضورِ اکرم ﷺ کی اسے نظر انداز کرنے کی وجہ یہی بیان کی ہے کہ آپ اس کی تالیفِ قلب کرنا چاہتے تھے۔ لیکن واقعہ اِفک میں بھی جو روایات کتب اَحادیث میں مذکور ہوئی ہیں۔ اس میں عبداللہ ابن اُبی کا جو گستاخانہ جملہ بیان ہوا ہے وہ اس واقعہ کے شروع میں ہے۔ ایک ماہ تک افواہوں اور پروپیگنڈہ کا بازار گرم رہا، لیکن اس دوران میں عبداللہ ابن اُبی سے منسوب کوئی بات روایت نہیں ہوئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ واقعہ اِفک میں ملوث عبداللہ ابن اُبی کے علاوہ کل چھ اَفراد کے نام بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں تین منافق اور تین مسلمان تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے تین منافقوں پر قذف کی حد لاگو نہ کی جبکہ تین مسلمانوں مثلاً حسان بن ثابت، مسطح اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم پر نافذ کی گئی۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس وقت تک قذف کی حد منافقین پر لاگو کرنے کا حکم وارد نہیں ہوا تھا۔ اس اعتبار سے واقعہ افک میں عبداللہ ابن اُبی کو جو رعایت ملی وہ اس کے منافق ہونے کی وجہ سے ملی۔ راقم کی نظر میں یہ رائے راجح ہے۔

سلمان رُشدی کی غلیظ ہفوات کو محض 'بے ہودہ' لغو وغیرہ' کہنے پر اکتفا کرنے والے وحید الدین خان نے عبداللہ ابن اُبی کی واقعہ ٔ افک میں گستاخی کو تفصیل کے ساتھ متعدد مقامات پر بیان کیا اور اسے 'شدید ترین گستاخی' کہا ہے۔

وحید الدین خان نے اس کے علاوہ عبداللہ ابن اُبی کی دو اور گستاخیوں کو بھی نقل کیا ہے۔ ایک موقع وہ تھا جب غزوہ بنی مصطلق (سن ۵ ہجری) سے واپسی پر ایک چشمہ پر پانی لینے کے لئے ایک مہاجر اور ایک انصاری آپس میں لڑ گئے۔ رسول اکرم ﷺ نے مداخلت فرما کر اس مسئلہ کو ختم کر دیا۔ البتہ اس موقع پر عبداللہ ابن اُبی نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کے سامنے اشتعال انگیز تقریر کی۔ اس نے کہا ''خدا کی قسم، اگر ہم مدینہ واپس پہنچ گئے تو عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا'' [ص:۱۴۶] اگرچہ عبداللہ ابن ابی کی اس بات کا اشارہ حضور اکرم ﷺ اور تمام مہاجرین کی طرف تھا، مگر غور کیا جائے تو عبداللہ ابن اُبی نے اپنے اس جملہ میں کسی کا نام نہ لیا تھا اور اس کا بالخصوص نام نہ لینا بھی حکمت خداوندی تھا۔ اللہ پاک نے اس منافق کی زبان سے واقعی ایک سچی بات نکلوائی تھی، کیونکہ مدینہ پہنچنے کے بعد عزت والوں نے ذلت والوں کو نکال دیا۔ مسلمانوں کو خدا نے عزت عطا کی۔ یہود اور منافقین مدینہ کے نصیب میں بدترین ذلت آئی۔

ایک اور واقعہ یوں نقل کیا گیا ہے کہ ایک دن رسول خدا ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کی عیادت کرنے جا رہے تھے، راستہ میں عبداللہ ابن اُبی کا قلعہ نما مکان تھا، وہاں اس کے پاس اس کے قبیلہ کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ وہاں سواری سے اتر پڑے اور عبداللہ ابن اُبی کے پاس پہنچ کر اس کو سلام کیا۔ آپ ﷺ تھوڑی دیر وہاں بیٹھے اور قرآن کا ایک حصہ پڑھ کر سنایا۔ عبداللہ ابن اُبی بے پروائی کے ساتھ چپ چاپ سنتا رہا۔ جب آپ فارغ ہو چکے تو عبداللہ ابن اُبی نے کہا:

> ''اے شخص! آپ کی یہ بات تو اچھی ہے، لیکن اگر وہ حق ہے تو آپ ﷺ اپنے گھر میں بیٹھیں اور جو شخص اس کو سننے کے لئے آپ ﷺ کے پاس آئے اس کو سنائیں اور جو شخص آپ ﷺ کے پاس نہ آئے تو اس کو آپ ﷺ تکلیف نہ دیں اور ایسے شخص کی مجلس میں اس کا ذکر نہ کریں جو اس کو ناپسند کرتا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کو عبداللہ ابن اُبی کا یہ قول سخت ناگوار ہوا مگر آپؐ خاموشی سے بڑھ کر آگے بڑھ گئے۔'' [ص:۱۴۵]

بلاشبہ یہ گستاخانہ کلمات تھے اور واقعہ بنی مصطلق کے بعد عبداللہ ابن اُبی کی تقریر سے مشتعل ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے اُسے قتل کرنے کی اِجازت بھی طلب کی تھی مگر آپ ﷺ نے اس کی اِجازت یہ کہ کر نہ دی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ عبداللہ ابن اُبی منافقین کا سردار تھا، اس کے قبیلے کے خاصے لوگ سچے مسلمان تھے، جو قبائلی قیادت میں اس کو سردار مانتے تھے۔ علاوہ ازیں اسکی سرگرمیاں زیادہ تر خفیہ تھیں، سامنے آ کر مسلمانوں کی مخالفت کی اسے جرأت نہ تھی۔ جنگ اُحد میں عبداللہ ابن اُبی اپنے تین سو آدمیوں کے ساتھ مسلمانوں کے لشکر سے الگ ہو گیا تھا مگر واقعات بتاتے ہیں کئی مواقع پر اس نے خلوص سے مسلمانوں کا ساتھ بھی دیا تھا۔

جنگ اُحد کے بعد بھی وہ لشکر اسلام میں شامل ہوتا رہا۔ غالباً رسول خدا ﷺ اس کی اسی نیم دلانہ حمایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس سے درگزر کی پالیسی اپناتے رہے۔ اس کے جملے گستاخانہ تھے مگر ملعون رشدی کی ننگی گالیوں کے مقابلے میں وہ 'بے حد نرم' کہے جا سکتے ہیں۔ اگر عبداللہ ابن اُبی وہی کلمات کہتا جو ملعون رشدی نے کہے تو پھر اس بات کا قطعاً کوئی امکان نہ تھا کہ اسے معاف کر دیا جاتا، اس کی گردن اس طرح کی پہلی گستاخی پر ہی اُڑا دی جاتی۔ عبداللہ ابن اُبی نے قرآنی آیات کو سن کر ناگواری کا اظہار کیا تھا مگر ملعون رشدی نے پورے قرآن مجید کو 'شیطانی آیات' کا نام دے کر شدید اِہانت کا ارتکاب کیا۔ اور خود وحید الدین خان لکھ چکے ہیں:

''اس سے بھی زیادہ لغو بات یہ ہے کہ اس کی بنیاد پر پورے قرآن مجید کو کلام خداوندی کی بجائے نعوذ باللہ کلام شیطانی قرار دینے کی کوشش کی جائے۔'' [ص:۴۳]

②ھند کی گستاخی

ہندابوسفیان کی بیوی تھی، فتح مکہ پر یہ ایمان لے آئی تھیں۔ مگر اس سے پہلے شاعری کے ذریعے رسول اکرم ﷺ کی ہجو کیا کرتی تھی۔ وحید الدین خان نے سیرتِ ابن ہشام کے حوالہ سے ہند کے یہ ہجویہ اشعار نقل کئے ہیں:

مذمّما عصينا......وآشذه أبينا......ودينه قلينا

یعنی: ''محمد ﷺ مذمت کئے ہوئے ہیں ...... ہم ان کا انکار کرتے ہیں ...... ہم ان کے حکم کو نہیں مانتے ...... اور ہم کو ان کے دین سے بغض ہے۔'' [ص:۱۳۵]

نوٹ: وحید الدین خان نے 'محمد ﷺ' کے لفظ کا اپنی طرف سے ترجمہ میں اضافہ کر دیا ہے۔ ہند کے اشعار میں اس نے نام نہیں لیا تھا اگرچہ اس کا اشارہ آپ ﷺ کی طرف ہی تھا۔

③ذوالخویصرہ کی گستاخی

وہ بنوتمیم قبیلے کا ایک شخص تھا، جنگِ حنین کے بعد جب رسول خدا ﷺ غنیمت کا مال تقسیم فرما رہے تھے تو ذوالخویصرہ نے کہا: ''میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے عدل کیا ہو۔'' وحید الدین خان نے ذوالخویصرہ کے ان الفاظ کے جو محرکات و مضمرات بتائے ہیں وہ قطعی طور پر ان کے اپنے ذہن کے ساختہ پرداختہ ہیں۔ اگرچہ ذوالخویصرہ نے جو الفاظ ادا کئے، ظاہری طور پر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے 'عدل' سے مطمئن نہ تھا۔

ذوالخویصرہ ایک سادہ لوح نومسلم تھا۔ وہ رسالت مآب ﷺ کی صحبت میں زیادہ نہ رہا تھا۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے دوران حضور اکرم ﷺ نے بعض اَفراد کو ان کی تالیفِ قلب کے لئے کچھ زیادہ مال عطا کیا۔ آپ ﷺ اس طرح کی تالیفِ قلب اکثر فرمایا کرتے تھے، مثلاً فتح مکہ اور غزوۂ ہوازن میں بھی آپ ﷺ نے ایسا معاملہ فرمایا اور یہ دین کی عظیم مصلحتوں کے پیش نظر تھا اور واقعی اس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے۔ جیسا کہ وحید الدین خان نے سہیل بن عمرو کے ضمن میں لکھا ہے:

''غزوۂ ہوازن کے بعد آپ نے ان کو ایک سو اونٹ تالیفِ قلب کے طور پر دیئے۔ اس عطیہ کے بعد وہ بالکل ڈھے پڑے اور اسلام قبول کر کے رسول اللہ کے ساتھی بن گئے۔'' [ص:۱۵۵]

مگر ذوالخویصرہ جیسا سادہ لوح بدو دین کی اِن مصلحتوں کو نہیں سمجھتا تھا۔ وہ عدل کا مفہوم دو جمع دو یا پھر ہر فرد کو مالِ غنیمت سے مساوی حصہ کا عطا کیا جانا سمجھتا تھا۔ جب آپ ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے وہ آپ ﷺ کے پاس کھڑا ہوگیا اور دیکھتا رہا۔ [ص:۱۶۰] اس نے جب دیکھا کہ سب لوگوں کو برابر حصہ نہیں مل رہا تو اس نے مذکورہ بات کی۔ اگر اس کے ذہن میں وہ بات ہوتی جس کا ذکر وحید الدین خان نے کیا ہے تو اَغلب اِمکان اس بات کا ہے کہ وہ یہ بات زبان سے نہ نکالتا۔ مگر وحید الدین خان اس واقع کو Play- up کر کے اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''مذکورہ مسلمان (ذوالخویصرہ) کے معاملہ پر غور کیجئے۔ اس نے خدا کے رسول ﷺ کی شان میں جو گستاخی کی وہ سادہ معنوں میں صرف ایک لفظی گستاخی نہ تھی، وہ خود آپ کی حیثیتِ رسالت پر ضرب لگانے کے ہم معنی تھی۔ اس شخص نے آپ ﷺ کی عدالت پر شبہ کیا تھا اور آپ ﷺ کو اپنے خیال کے مطابق غیر عادل بتایا تھا۔ یہ بات انتہائی حد تک سنگین

ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت قرآن کے راوی کی ہے۔ ایسی حالت میں مذکورہ تمیمی مسلمان کا آپ ﷺ کو غیر عادل بتانا گویا آپ کے راوی قرآن ہونے کی حیثیت کو مشتبہ قرار دینا ہے۔ یہ بلاشبہ سب سے زیادہ سخت بات ہے جو آپ ﷺ کے خلاف کہی جاسکتی ہے۔ مذکورہ شخص نے اتنی سنگین بات کہی، اس کے باوجود اس کو نہ کوئی سزا دی گئی اور نہ ہی اس کو قتل کیا گیا۔ کیا اس کے بعد بھی اس میں شبہ کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی بجائے خود کوئی واجب القتل جرم نہیں ہے۔'' [ص:۱۶۱،۱۶۲]

وحید الدین خان نے جو نتیجہ اس واقعہ پر تبصرہ کرنے کے بعد نکالا ہے وہ محض پہلے سے بنا بنایا اور گھڑا گھڑایا (Pre-postrous) ہے۔ جس غلط فہمی کا شکار ذوالخویصرہ جیسا غیر معروف، نومسلم، سادہ لوح بدو ہوا تھا، اس طرح کی غلط فہمی اس طرح کے آدمی سے غیر متوقع نہیں ہے، کیونکہ اپنی آنکھوں سے وہ مالِ غنیمت کی غیر مساوی تقسیم دیکھ رہا تھا اور تربیت کے مراحل سے نہیں گزرا تھا۔ اس طرح کی غلط فہمی تو فتح مکہ کے بعد بہت سے جید انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ہوئی تھی۔ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے ابوسفیان اور دیگر مکہ کے سرداروں کی تالیفِ قلب کے لئے انہیں مالِ غنیمت سے بیش بہا مال دیا جن کا بعض انصار نے اثر قبول کیا۔ ان میں سے بعض نے تو برملا اس کا اظہار بھی کیا۔ ایسے ہی موقع پر حضور اکرم ﷺ کا وہ مشہور ارشادِ مبارک ہے جس نے انصار صحابہ کو رُلا کر رکھ دیا اور رقتِ قلبی سے ان کی چیخیں نکل گئیں اور انہوں نے اس بدگمانی پر توبہ کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے گروہ انصار! کیا آپ کو یہ گوارا نہیں کہ اہل مکہ تو اَموال لے جائیں اور آپ کے ساتھ اللہ کا رسول چلا جائے۔''

تعجب کا معاملہ ہے کہ وحید الدین خان نے بے چارے ذوالخویصرہ کی اس سادہ لوحی پر مبنی گستاخی کو تو 'سنگین ترین' بتلا کر باقاعدہ وہ من چاہا نتیجہ بھی نکال لیا ہے جس کو درست ثابت کرنے کے لئے انہوں نے ۱۹۲ صفحہ کی کتاب 'شتم رسول کا مسئلہ' لکھ ماری۔ مگر اس کتاب میں کہیں بھی اس نے ملعون رشدی کی گستاخی کو 'سنگین ترین' نہیں لکھا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ اسے 'اشتعال انگیز حد تک لغو' لکھا ہے۔

ذوالخویصرہ کی مذکورہ گستاخی اور ملعون رُشدی کی ہفوات میں کوئی مقابلہ نہیں ہے مگر وحید الدین خان مصر ہیں کہ یہ دونوں گستاخیاں ایک ہی مرتبے کی ہیں۔ علمی بددیانتی کو اگر اپنا 'مذہب' بنالیا جائے تو پھر منطق کے نام پر ایسی یاوہ گوئیاں غیر متوقع نہیں رہتیں۔

④ عکرمہ بن ابوجہل کو معافی ملنے کی وجہ

وحید الدین خان نے رسول اللہ ﷺ کے ابتدائی مخالفین میں عکرمہ بن ابوجہل کا ذکر بے حد تفصیل سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ فتح مکہ سے پہلے وہ رسول اکرم ﷺ کا سخت مخالف تھا اور اپنے باپ ابوجہل کے ساتھ تھا۔ گستاخی اور جارحیت کی کوئی قسم نہ تھی جو اس نے آپ ﷺ کے خلاف اختیار نہ کی ہو۔ غزوہ اُحد میں وہ مشرک فوج کے میسرہ کا سردار تھا۔ فتح مکہ کے بعد وہ مکہ کو چھوڑ کر یمن کی طرف بھاگ گئے۔ ان کی بیوی جو مسلمان ہوگئی تھی۔ وہ یمن جا کر باصرار انہیں واپس لے آئیں۔ وہ انتہائی شرمساری کے ساتھ اپنا سر جھکائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا: کیا مجھے اَمان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، تم کو امان ہے۔ آخر کار انہوں نے کلمہ شہادت اَدا کر کے اسلام قبول کرلیا...... عکرمہ نے ہر جرم رسول اللہ ﷺ کے خلاف کیا تھا بظاہر وہ اس قابل تھے کہ انہیں قتل کردیا جائے مگر رسول اللہ ﷺ قاتل نہیں تھے، داعی تھے، آپ ﷺ نے انہیں یکطرفہ طور پر معاف کردیا۔ [ص:۱۵۸تا۱۶۰]

وحید الدین خان کتاب کا پیٹ بھرنے کے لئے ایسے واقعات بھی لکھتے چلے گئے ہیں جن کا موضوعِ بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عکرمہ کا معاملہ درحقیقت عسکری مخالفت کا تھا۔ وہ کفارِ مکہ کے سب سے بڑے سردار یعنی ابوجہل کا بیٹا تھا۔ جنگ لڑنا ایک بہادرانہ فعل ہے چاہے وہ کسی بھی طرف سے لڑی جائے۔ جنگی بہادروں کو مخالف بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آج بھی کسی فوج کا سپہ سالار گرفتار ہو جائے، اسے فوراً قتل نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بالعموم بعض شرائط کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جنگِ بدر کے بعد ۷۰ کفار کو رسول اللہ ﷺ نے گرفتار کرنے کے بعد معاف کر دیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد ابوسفیان جس نے مسلمانوں کے خلاف غزوۂ اُحد میں کفار کی قیادت کی تھی، آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا، اسے امان دے دی جائے گی۔ اس طرح کی وسعتِ ظرفی کا اظہار ہمیشہ مخالفین کو متاثر کرنے کا باعث بنتا ہے۔ جیسا کہ وحید الدین خان نے لکھا ہے کہ عکرمہ کے جرم میں 'گستاخی اور جارحیت' دونوں چیزیں شامل تھیں۔ مگر جارحیت کا پلہ بھاری تھا اور یہ عسکری جارحیت تھی۔ عکرمہ ایک انتہائی بہادر سپہ سالار تھے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے اسلامی لشکر کی قیادت کرتے ہوئے بہادری کے عظیم کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ آپ ﷺ کے سامنے عکرمہ کا یہ پہلو بھی چھپا ہوا نہیں تھا۔ اسی لئے جب یمن سے ان کی بیوی انہیں واپس لائیں تو بقول وحید الدین خان: ''عکرمہ جب آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نہایت خوش ہو کر اِن کی طرف تیزی سے بڑھے، حتیٰ کہ آپ کی چادر آپ ﷺ کے اوپر سے گر پڑی۔'' [ص:۱۵۹]

اس کے علاوہ چند اور وجوہات بھی تھیں جن کی بنا پر عکرمہ کو معافی کا مستحق ٹھہرایا گیا اور ان کا ذکر خود وحید الدین خان کی کتاب میں موجود ہے۔ وہ یہ تھیں:

① عکرمہ کی بیوی ایمان لے آئی تھیں اور بحیثیتِ مسلمان کے انہوں نے اپنے کافر شوہر کی امان طلب کی تھی، جو عام اصول کے تحت انہیں دے دی گئی۔

② عکرمہ نے سخت شرمساری کا اظہار کیا۔ ان کے رویہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ خالص توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ وحید الدین خان کی کتاب کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''اسلام قبول کرنے کے بعد عکرمہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''میں آپ سے ایک چیز طلب کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم طلب کرو میں تمہیں ضرور وہ چیز دوں گا۔ عکرمہ نے کہا: میری آپ سے درخواست ہے کہ ہر دشمنی جو میں نے آپ کے ساتھ کی ہے یا پھر وہ رکاوٹ جو میں نے آپ کے راستہ میں ڈالی ہے، ہر وہ لڑائی جو میں نے آپ کے خلاف لڑی ہے، ہر وہ بدکلامی جو میں نے آپ کے منہ پر کی ہے، آپ کے پس پشت کی ہے، ان سب کو آپ معاف کر دیں اور ان کے بارے میں اللہ سے میرے لئے استغفار فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً ہی ان کے حق میں یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! ہر وہ عداوت جو عکرمہ نے میرے ساتھ کی، ہر وہ سرگرمی جو انہوں نے اس ارادہ سے کی کہ تیرے نور کو بجھا دیں، ان سب کو تو ان کے لئے معاف کر دے اور وہ سب کچھ جو انہوں نے میری بے آبروئی کے لئے کیا، خواہ میرے سامنے کیا ہو یا میرے پس پشت، ان سب کو تو ان سے معاف کر دے۔'' [ص:۱۵۹]

اب بتایئے اس طرح کی شرمساری اور ندامت کے ساتھ پیش ہونے والے ایک نوجوان بہادر سردار عکرمہ اور ملعون رُشدی میں کیا مماثلت ہے۔ جو اپنی حرامزدگی اور دریدہ دہنی پر شرمسار تو کجا، الٹا نخوت، ڈھٹائی اور سرکشی میں مبتلا ہے۔ دس سال گزرنے کے بعد آج تک اس نے ایک بھی حرفِ ندامت ادا نہیں کیا۔ عکرمہ تو خوش قسمت تھے کہ

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان کو معافی مل گئی تھی۔ اگر وہ ایک دو سال اور معافی نہ طلب کرتے تو رسول اللہ ﷺ کے وِصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ یا کسی اور مسلمان نے انہیں ہرگز معافی نہیں دینی تھی۔ ملعون رُشدی جنابِ رسول اللہ ﷺ کا شاتم اور مجرم ہے اسے مسلمان معافی کیسے دے سکتے ہیں۔ وہ ایک بزدل، کمینہ، گھٹیا اور پوچ انسان ہے، اس کا موازنہ عکرمہ جیسے عسکری سپہ سالار سے کرنا وحیدالدین خان کا حوصلہ ہی ہوسکتا ہے۔ جو ہر معاملے میں عقل پر مبنی و استدلال طلب کرنے کے عادی ہیں۔ عکرمہ کے واقعات سے جو انہوں نے نتیجہ اخذ کیا ہے اس پر خود علومِ منطق کو نوحہ خواں ہونا چاہئے۔

⑤ طائف کے سفر کے دوران آپ ﷺ کو ملنے والی اذیت

وحیدالدین خان نے رسول اکرم ﷺ کے طائف کے سفر کا ذکر تین صفحات میں پھیلایا ہے اور طائف کے سرداروں نے جو آپ ﷺ کے ساتھ برا سلوک اور گستاخی کی اس کا مفصل تذکرہ کیا ہے اور پھر بتایا ہے کہ طائف کے قبیلہ بنوثقیف سے ہی بعد میں لوگ اسلام لائے۔ بالخصوص محمد بن قاسم رحمہ اللہ جس نے سندھ فتح کیا، وہ بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ اگر طائف کے روز آپ ﷺ فرشتے کی پیش کش کو قبول کر لیتے تو اہل طائف کا نام و نشان مٹ جاتا۔ یہاں وحیدالدین خان 'اگلی نسلوں تک انتظار' کی سرخی جماتے ہیں۔ [ص:۱۵۶تا۱۵۸]

طائف کا اَذیت ناک واقعہ آپ ﷺ کو اس وقت پیش آیا جب اسلام میں ابھی چند لوگ ہی داخل ہوئے تھے۔ یہ طائف کے لوگوں کی طرف سے اجتماعی گستاخی تھی۔ اگر آپ پسند کرتے تو فرشتہ کو اس قوم کو تباہ کرنے کی اِجازت دے کر ان کی گستاخی پر سبق سکھا سکتے تھے مگر اس میں یہ خدشہ تھا کہ مجرموں کے ساتھ بے قصور لوگ بھی پس جاتے۔ اجتماعی گستاخی اور اِنفرادی سب وشتم میں بہت فرق ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں کسی بھی قوم یا قبیلے کو اجتماعی مخالفت، جارحیت یا گستاخی پر سزا نہیں دی گئی۔ جن جن واقعات میں گستاخانِ رسول کو قتل کیا گیا وہ انفرادی سب وشتم کے واقعات تھے۔ اور ایسے افراد مسلسل اس سب وشتم کا اِرتکاب کرتے رہے۔ طائف کے واقعہ اور رُشدی کے ہفوات میں قطعاً کوئی مماثلت نہیں ہے۔ رشدی اِنفرادی گستاخی کا مرتکب ہوا ہے اور اس کی کتاب کے مسلسل ایڈیشن کا چھپنا اسکی گستاخانہ حرکت کے تسلسل کو ظاہر کرتا ہے وہ ہر اعتبار سے شتم رسول کی سزا میں موت کا مستحق ہے۔

⑥ رسولِ اکرم ﷺ کو اَبتر کہنا

العاص بن وائل قدیم مکہ کا ایک مشرک سردار تھا، وہ آپ ﷺ کو اَبتر یعنی لاوارث ہونے کا طعنہ دیتا تھا، کیونکہ آپ ﷺ کی نرینہ اَولاد کوئی نہیں تھی۔ وہ لوگوں سے کہتا کہ انہیں چھوڑو وہ تو ایک اَبتر شخص ہیں ان کے بعد ان کا کوئی وارث نہیں۔ جب وہ ختم ہوں گے تو ان کا ذکر بھی ختم ہوجائے گا۔ وحیدالدین خان اس پر تبصرہ کرتے ہیں:

> ''یہ واضح طور پر شتم رسول کا واقعہ تھا۔ اب اس کا جواب یہ نہیں تھا کہ عاص بن وائل اور اسی طرح کے دوسرے لوگوں کو قتل کردیا جائے۔''

عاص بن وائل ایک کافر شخص تھا اور اس نے جس وقت یہ بات کی تھی وہ رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا مکی دور تھا۔ ابھی اسلامی نظام قائم نہیں ہوا تھا۔ لوگوں پر اسلام کی تعلیمات کی عظمت بھی واضح نہیں ہوئی تھی۔ بھلا چودہ سو سال کے بعد کے رشدائی ہفوات اور حضور اکرم ﷺ کی نبوت کے پہلے چند سال کے واقعات کو برابر قرار دے کر شتمِ رسول کی

سزا کی مخالفت کرنا پرلے درجہ کی مضحکہ خیز منطق نہیں تو اور کیا ہے۔ پھر اَبتر اور رُشدی کی ہفوات کا موازنہ کیسے کیا جاسکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وحید الدین خان کو یا تو مسئلہ زیرِ غور کی سنگینی اور شدت کا احساس نہیں یا پھر جان بوجھ کر وہ سوئے تاویل سے کام لے کر اس معاملے میں گمراہ کرنے کے مشن پر نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے فرض کر رکھا ہے کہ وہ لوگ جو سلمان رُشدی کے قتل کا مطالبہ کر رہے ہیں، وہ رسول اکرم ﷺ کی شخصیت کی رحم دلی اور عفو و درگزر پر یقین نہیں رکھتے۔ اسی لئے وہ ایسے واقعات کا انبوہِ کثیر جمع کر چکے ہیں جن کا رُشدی کے معاملہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب وہ معمولی معمولی باتیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر بے حد واہیات طریقے سے استدلال کرتے ہیں کہ دیکھیں کہ فلاں نے یہ کہا، فلاں نے یہ کہا مگر اس کو قتل نہیں کیا گیا۔ ہم ایک بار پھر دہراتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے پیشِ نظر بعض اَفراد کو معاف کر دیا تھا اور بعض کو معاف نہ کیا۔ جن کو معاف کیا، ان میں سے ایک کی بھی گستاخی اس درجہ میں نہیں تھی جیسا کہ سلمان رُشدی کی ہفواتی گستاخیاں، لیکن جنہیں قتل کی سزا دی گئی وہ تمام کے تمام اس قبیل کے گستاخ تھے۔

حضورِ اکرم ﷺ کی معاف کر دینے کی مصلحت

رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کے باوجود پندرہ اَشخاص کو اس معافی سے مستثنیٰ فرمایا۔ ان میں سے بعض کو معافی عطا کی گئی اور وہ اسلام لے آئے۔ ان کی اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو سنگین توہین رسالت کے مرتکب ہوئے تھے۔ ان بدبخت لوگوں میں ایک عبداللہ ابن خطل تھا جسے حرمِ مکہ میں حجرِ اَسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان قتل کیا گیا۔ کعب بن زہیر، عبداللہ بن الزبعریٰ اور ہبیرہ بن اَبی وَہب مکہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ تمام گستاخ شعراء تھے جو حضورِ اکرم ﷺ کی ہجو میں شعر کہا کرتے تھے۔ ان میں کعب بن زہیر کچھ عرصہ بعد مدینہ آئے اور آپؐ سے معافی کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی اور وہ اسلام لے آیا۔ حضورِ اکرم ﷺ کے پیش نظر اپنی ذات کے متعلق گستاخی کا اِرتکاب کرنے والوں کو معاف کر دینے کی مصلحت یا اصول کیا تھا۔ اس پر امام ابن تیمیہ ؒ کا یہ تجزیہ راہنمائی فراہم کرتا ہے:

> ''جب آپ ﷺ کا حق درمیان میں حائل ہوتا تو آپ ﷺ کو اختیار ہوتا کہ معاف فرما دیں یا بدلہ لیں۔ ایسے حالات میں آپ ﷺ عموماً معاف فرما دیتے۔ اگر مصلحت قتل میں دیکھتے تو مجرم کو قتل کرنے کا حکم دیتے۔ جن اُمور میں آپ ﷺ کا کوئی حق نہ ہوتا، زنا، چوری یا کسی اور ظلم کا معاملہ، تو اس کی سزا دینا آپ پر واجب ہوتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب دیکھتے کہ کوئی شخص آپ ﷺ کو اِیذا دے رہا ہے تو اس کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ قتل کا مستحق ہے مگر آپ ﷺ اسے معاف فرما دیتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتاتے کہ اسے معاف کر دینا ہی قرین مصلحت ہے۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی واضح کرتے کہ اسے قتل کرنا بھی جائز ہے۔ اور آپ ﷺ کے معاف کرنے سے قبل کوئی شخص اسے قتل کر ڈالتا تو آپ ﷺ اسے تعرض نہ فرماتے، یہ جانتے ہوئے کہ اس نے یہ انتقام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے لیا ہے۔ لہٰذا اس کی مدح و ستائش فرماتے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا جو آپ ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ تھا۔ جب رسول کریم ﷺ کی وفات کی وجہ سے مجرم کو معاف کرنے کا امکان باقی نہ رہا تو پھر یہ اللہ کے رسول ﷺ اور مؤمنین کا حق ہوگا اور کوئی اسے معاف نہ کر سکے گا لہٰذا اس کو نافذ کرنا واجب ہوگا۔''

پوائنٹس

① معروف فقہا اور محدثین نے سنت کی تعریف میں 'تقریر' کو بھی شامل فرمایا ہے۔ 'تقریر' کا عام مفہوم یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے کوئی عمل دیکھا یا کوئی بات ان کے نوٹس میں لائی گئی اور آپ ﷺ نے اس پر سکوت فرمایا۔ گویا آپ ﷺ کا سکوت فرمانا ہی آپ کی طرف سے اس عمل کی بالواسطہ منظوری اور تائید تھی۔ شتمِ رسول کے متعدد واقعات میں گستاخانِ رسول کو آپ کی موجودگی میں قتل کیا گیا۔ آپ ﷺ نے ان کے قتل کو 'مباح الدم' قرار دیا اور ایسے افراد کو دیت یا قصاص کا مستوجب قرار نہیں دیا۔ جو ایک اسلام کا عام ضابطہ ہے۔ آپ ﷺ کا ان واقعات میں 'مباح الدم قرار' دینا ہی کیا شاتم رسول کے قتل کا جواز مہیا نہیں کرتا؟ اگر قرآن وحدیث میں واضح طور پر 'اس کو قتل کرنے دو' کے الفاظ نہیں ہیں تو اس سے یہ نتیجہ عقلی استدلال کے زور پر نکالنا کہ شتمِ رسول کے لئے قطعاً موت کی سزا نہیں ایک انتہائی غیر عقلی بات ہوگی۔

② شاتم رسول کی سزائے موت سے اِنکار براہِ راست توہین رسالت پر بھی منتج ہوگا۔ وہ اس لئے کہ اگر اسلام میں اس جرم کی سزا موت نہیں تھی تو حضورِ اکرم ﷺ نے نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ ایسے واقعات کے مقتولین کو مباح الدم قرار دے کر گویا عدل کے تقاضوں کو پورا نہیں فرمایا۔ اور آپ ؐ کی حیثیت نعوذ باللہ ایک 'غیر عادل' نبی کی تھی کہ جس نے اپنے رفقا کو ایک ناجائز قتل پر سزا دینے کی بجائے اُلٹا ان کی تائید کی اور سکوت فرمایا، کیا کوئی شخص جو رسول اکرم ﷺ کے متعلق یہ تصور رکھتا ہو وہ مسلمان اور مؤمن کہلاسکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ مولانا وحید الدین خان شاتم رسول کی سزا سے قطعی انکار کرنے کے بعد مذکورہ توہین رسالت کے مرتکب بھی ہوتے ہیں۔ علماء کرام کو وحید الدین خان کے مسلمان رہنے یا نہ رہنے کے بارے میں عوام الناس کو شریعت کی روشنی میں ضرور راہنمائی کرنی چاہئے۔

③ وحید الدین خان نے سیرتِ نبوی ﷺ سے ایسے واقعات ڈھونڈ نکالنے پر سارا زورِ تحقیق صرف کیا ہے جن میں بوجوہ گستاخانِ رسول کو قتل نہیں کیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبداللہ ابن اُبی جیسے بعض گستاخانِ رسول جو قتل کئے جانے کے مستحق تھے، ان کی گستاخیاں اس سزا کے جواز کو کافی تھیں، مگر ان افراد کو ملنے والی معافی شتم رسول کی سزائے موت سے قطعی اِنکار کے لئے جواز نہیں بنائی جاسکتی۔ اس کے لئے دلائل درج ذیل ہیں:

(i) اِزالہ حیثیتِ عرفی کے مقدمات میں آج بھی یورپ کی عدالتیں کروڑوں روپے کے معاوضے مدعی کو دلاتی ہیں۔ اگر مدعی خود ہی اس جرمانے کو معاف کر دے تو اس کا ایک مقدمہ میں یہ جرمانہ معاف کر دینا دوسرے مقدمات کے لئے 'عام معافی' کے جواز کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اکرم ﷺ نے بعض اجتماعی اور عظیم مصلحتوں کی بنا پر اگر چند ایک ایسے گستاخان کو معاف کر دیا تو یہ ان کا ذاتی استحقاق تھا۔ جو انہوں نے منتخب طور پر استعمال کیا۔ یہ 'عامی معافی' کا پروانہ ہرگز نہیں تھا ورنہ وہ خود اپنی موجودگی اپنے گستاخان کے قتل کی تائید نہ فرماتے۔ اور ایک دفعہ تو انہوں نے سخت ذہنی کرب سے دوچار ہو کر خود ہی ارشاد فرمایا: ''کوئی ہے جو مجھے میرے دشمن سے بچائے'' تو اسی وقت ایک صحابی نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کی توہین کرنے والے کی گردن اُڑا دی۔ گویا یہ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل تھی۔

(ii) قتلِ عمد کی اسلام میں سزا موت ہے، لیکن اگر مقتول کے ورثا بعض مصلحتوں کی بنا پر قاتل سے صلح کر کے اسے معاف کر دیں تو اسلامی ریاست اس قاتل پر سزائے موت کو نافذ نہیں کر سکتی۔ کیا ایک قاتل کو مقتول کے ورثا سے اس طرح کی معافی کا ملنا اس کے لئے ہر بار قتل کی واردات میں معافی کا لائسنس سمجھا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ فرض کیجئے وہی قاتل دوسری بار اسی خاندان کے کسی اور فرد مثلاً پہلے مقتول کے بھائی کو قتل کر دیتا ہے تو کیا مقتول کے ورثا کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ دوسری مرتبہ بھی اسی قاتل کو معافی دے دیں یا پہلے قتل میں قاتل کو ملنے والی معافی بذاتِ خود دوسرے قتل کے مقدمے کے لئے بھی کافی سمجھی جائے گی؟ معمولی سی عقل وفہم رکھنے والا کوئی بھی فرد اس کا جواب یقیناً نفی میں دے گا۔ تو پھر وحید الدین خان حضور اکرم ﷺ کی طرف سے بعض افراد کو دی جانے والی معافی کو 'معافیٔ عام' کس عقلی دلیل کی بنیاد پر ٹھہرا رہے ہیں۔ وہ شاتم رسول کی سزائے موت سے جن دلائل کی بنیاد پر انکار کر رہے ہیں وہ دلائل قیاس مع الفارق کے زمرے میں آتے ہیں۔ ایسے بے جوڑ دلائل کی بنیاد پر ایک ایسی بات سے انکار کرنا جس پر امت کا اجماع ہو، یقیناً خواہش نفس کی پیروی کا نتیجہ تو ہوسکتا ہے، اسلامی تعلیمات کی پیروی کا اس معاملے میں دعویٰ محض ایک خود فریبی اور جگ فریبی ہے۔ وحید الدین خان محض اپنے آپ کو روشن خیال، رواداری پر عمل پیرا اور موجودہ یورپی دانشوروں کی نگاہ میں قابل قبول بنانے کی مریضانہ خواہش کے اتباع میں اپنی عقل و دانش کو سربازار نیلام کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

(iii) وحید الدین خان نے ابن تیمیہؒ کی کتاب پر مفصل تبصرہ کیا ہے اور ہر بات کو محض 'لغو' کہہ کر جھٹلانے پر ہی اکتفا کیا ہے۔

اَحادیث کی کتابوں میں اہانت رسول پر قتل کے متعلق واردشدہ واقعات کے مطالعہ سے وحید الدین خان کے درج ذیل بیانات کو غور پڑھنے سے یہ فیصلہ کرنا کوئی مشکل بات نہیں کہ ان کا استنباط کس قدر لغو، کھوکھلا اور باطل ہے۔

① ''ان واضح اَسباب کی بنا پر راقم الحروف کی قطعی رائے ہے کہ قتل شاتم کے بارے میں 'جمہور فقہا' کا جو مسلک نقل کیا جاتا ہے وہ یا تو اس معنی میں نہیں ہے جس معنی میں ابن تیمیہ ؒ اور ان کے ہم خیال لوگ اس کو لے رہے ہیں اور بالفرض اگر وہ اس معنی میں ہو تب بھی وہ یقینی طور پر قابل لحاظ ہیں۔ [ص:۱۳۰]

② ''یہ مسئلہ دین میں ایک ایسا اضافہ ہے جس کے لئے نہ قرآن و حدیث میں کوئی صریح نص موجود ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے اس کی تصدیق ملتی ہے'' [ص:۱۳۰]

③ ''اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے تو ابن تیمیہ ؒ اور ان کے تمام ہم خیال لوگوں کو وہی کہنا چاہئے اور کرنا چاہئے جس کا نمونہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے چھوڑا ہے...... نہ کہ ایک ایسے عمل کی وکالت کریں جس کا براہِ راست ثبوت نہ قرآن میں ہے نہ رسول کے قول و عمل میں۔ ان کے اس نظریہ کی بنیاد صرف قیاس پر ہے اور قیاس اس طرح کے معاملہ میں حجت نہیں۔'' [ص:۱۳۱]

④ قرآن اور سنت کے سارے ذخیرۂ حدیث میں کوئی بھی ایسی نص موجود نہیں جس میں صراحتاً یہ حکم دیا گیا ہو کہ جو شخص گستاخی یا شتم کا عمل کرے اس کو فوراً قتل کردو'' [ص:۱۲۳]

تبصرہ

مولانا وحید الدین خان خود لکھتے ہیں:

''یہ صحیح ہے کہ فقہا اسلام کی اکثریت اس رائے پر ہے کہ شاتم رسول کی سزا قتل ہے'' [ص: ۵۶-۱۲۳] ایک اور جگہ پر ایسی ہی رائے کا اظہار کرتے ہیں: ''تاہم قتل شاتم کے بارہ میں یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس پر علماءِ اُمت کا اِجماع ہے۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ جمہور علماء نے اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔'' [ص:۱۲۲]

اِجماع کے متعلق وحید الدین خان کا تصور مغالطہ آمیز ہے، ہم اس پر الگ اظہارِ خیال کریں گے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ وہ خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جمہور علما کے نزدیک شاتم رسول کی سزا قتل ہے، گویا اس رائے کے ساتھ وہ خود اِعتراف کر رہے ہیں کہ ان کی رائے جمہور علما کی رائے سے مختلف اور منفرد ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے مستند فقہا وعلما اور علوم وفنون کے عظیم ستونوں کی آرا کو وحید الدین خان کی رائے پر ترجیح کیوں نہ دی جائے۔ وحید الدین خان نہ تو روایتی عالم ہیں اور نہ ہی ان کا علم فقہ وحدیث کے متعلق مطالعہ زیادہ وسیع ہے۔ وہ ایک اوسط درجہ کے اسلامی سکالر ہیں، جنہیں ایک صاحبِ علم نے بجا طور پر 'فکری بالشتیہ' قرار دیا ہے۔ اگر وحید الدین خان کی رائے کو درست مان لیا جائے تو جمہور علماء کے تفقه في الدين کو 'ناقص' تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہے گا اور پھر ظاہر ہے کہ محض اس شتم رسول پر ہی موقوف نہیں، دیگر تمام امور میں بھی ان کی آرا ساقط الاعتبار قرار پائیں گی۔ یہ ایک عظیم فتنہ سے کم نہیں ہوگا۔ اس عظیم فتنہ کا دروازہ بند کرنے کا مؤثر طریقہ یہی ہے کہ وحید الدین خان جیسے اوسط درجہ کے اسلامی سکالر کی مجہول اور مردود رائے کو باطل سمجھ کر ٹھکرا دیا جائے۔

قرآن میں عدمِ تذکرہ دلیل انکار نہیں

وحید الدین خان نے قتل شاتم سے اِنکار کی ایک ایسی دلیل پیش کی ہے جو بالعموم منکرین حدیث کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ یعنی اگر کسی بات کا قرآن مجید میں صریحاً ذکر موجود نہیں ہے تو اس کا انکار کر دیا جائے۔ یہ بہت بڑا فتنہ ہے جس کی نشاندہی اور مضمرات علماء کرام نے تفصیل سے بیان کئے ہیں یہاں ان کے اعادہ کی گنجائش نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''قرآن میں استہزا کے جرم کا ذکر تو بار بار آیا ہے مگر اس کے مجرم کے لئے سزائے قتل کا اعلان سارے قرآن میں کہیں بھی موجود نہیں۔'' [ص:۱۵۲]

معلوم ہوتا ہے کہ وحید الدین خان چودہ سو سال کے بعد بزعم خویش یہ انکشاف فرما رہے ہیں کہ 'سارے قرآن میں' اس کا ذکر 'کہیں بھی موجود نہیں' حالانکہ یہ ایسی بات ہے جس کا علم شروع سے لے کر اب تک کے علماء کو ہے۔ اہل سنت کے ائمہ اربعہ میں سے عظیم امام، امام مالک رحمہ اللہ کو بھی یقیناً یہ علم تھا مگر انہوں نے شاتم رسول کے متعلق فرمایا:

''جو شخص حضور ﷺ کو یا کسی اور نبی کو گالی دے، اسے قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔'' حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا ایک اور معروف قول ہے، فرماتے ہیں کہ ''اُمت کو زندہ رہنے کا کیا حق ہے جب اس کے رسول کو گالیاں دی جائیں۔''

قرآنِ مجید میں دیگر دو اہم معاملات میں بھی 'سزائے موت' کا واضح ذکر موجود نہیں ہے۔ مگر ان کے متعلق جمہور علماء کا اِتفاق رائے ہے کہ ان جرائم کی سزا موت ہے۔ ایک تو معاملہ محصن زانی کے رجم کا ہے۔ چونکہ اس کا ذکر

قرآن مجید میں نہیں مگر اَحادیث میں متواتر یہ احکامات ملتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ جدید کے بعض منکرین حدیث بالخصوص پرویزی اور اس قبیل کے لوگ اس سزا کے قائل نہیں ہیں۔ اس طرح دوسرا معاملہ مرتد کی سزا کا ہے۔ مرتد کی سزا کا قرآن میں تو ذکر نہیں ہے مگر حدیث میں یہ حکم آیا ہے کہ جو شخص اپنے دین کو بدل ڈالے اس کو قتل کردو «من بدّل دينه فاقتلوه» قتل مرتد کا اقرار تو وحید الدین خان نے بھی کیا ہے[ص ۱۷۱] مگر وہ اِرتداد اور شتم کو ہم پلہ نہیں سمجھتے۔

قتل مرتد کے لئے تو وہ بلا چون و چرا موت کی سزا کو تسلیم کر لیتے ہیں چاہے 'سارے قرآن' میں اس کا ذکر موجود نہیں مگر قتل شاتم کے لئے وہ قرآن میں ایسا 'اعلان' ڈھونڈتے پھر رہے ہیں کہ جس میں اس کا ذکر موجود ہو۔ موصوف کے ان دوہرے معیارات کی کوئی عقلی توجیہ نہیں کی جاسکتی سوائے اس کے کہ وہ اس نقطہ پر ایک خاص رائے پہلے قائم کرچکے ہیں اور اس کو ثابت کرنے کی جدوجہد میں انہیں خواہ کتنے ہی 'غیر عقلی' دلائل کا سہارا لینا پڑے اور تضادِ نفسی کے مرحلے سے گزرنا پڑے۔ انہیں اس کی پروا نہیں ہے۔ شتم رسول کے مسئلہ پر وحید الدین خان منکرین حدیث کی 'بینڈ ویگن' پر بغیر سوچے سمجھے چھلانگ لگا کر سوار ہوگئے ہیں۔

سوءِ تاویل، غلط بیانی اور حقائق کا 'قتل'

وحید الدین خان نے مضحکہ خیز اِستدلال اور سوءِ تاویل کے علاوہ اپنی کتاب کے بعض مقامات پر واضح طور پر غلط بیانی اور حقائق کو مسخ کرکے پیش کیا ہے۔ بعض صورتوں میں وہ مختلف اُمور اور اَحکامات کے متعلق فرقِ مراتب قائم نہیں رکھ سکے۔ اس حصہ میں ان کی ژولیدگیٔ فکر کی جراحی کرتے ہوئے ان کی فکر کے سرطانی حصوں کو کاٹ کر نمایاں دکھایا گیا ہے۔

① کعب بن اشرف کا واقعہ

وحید الدین خان نے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اس رائے کہ کعب بن اشرف یہودی کو شتم رسول کی بنا پر قتل کیا گیا، کو قبول نہیں کیا۔ وہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے زمانہ رسالت کے کچھ واقعات جمع کئے ہیں جب کہ کسی کو قتل کیا گیا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ سب لوگ سب و شتم کی بنا پر قتل کئے گئے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ مثلاً انہوں نے کعب بن اَشرف کے قتل کا ذکر کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اس کو سب و شتم کی بنا پر قتل کیا گیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کعب بن اشرف کو بار بار نقض عہد (غداری) کرنے کی بنا پر قتل کیا گیا۔ اس کے قتل کا سبب اس کا نقض عہد تھا نہ کہ سادہ طور پر صرف سب و شتم۔'' [ص۱۲۰:۱۲۱]

نجانے وحید الدین خان 'حقیقت' یہ ہے، کا دعویٰ کس بنیاد پر کرتے ہیں۔ انہوں نے اس 'حقیقت' کی تائید میں ذخیرۂ حدیث یا اسلامی تاریخ سے کوئی مستند حوالہ نہیں دیا اور شاید دے بھی کیسے سکتے تھے کہ 'یہ حقیقت' بھی درحقیقت ان کی ذاتی رائے پر مبنی ہے، وہ بڑی ڈھٹائی سے کعب بن اشرف کے قتل کا سبب اس کی عہد شکنی قرار دے رہے ہیں۔ مگر اَحادیث کے مستند اور ناقابل تردید ذخائر میں اس کے قتل کا اَصل سبب سب و شتم اور ہجو قرار دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں کتاب المغازي کے تحت کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ موجود ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرکے اور قریش کو

آپ ﷺ کے خلاف بھڑکا کر آپ ﷺ کو ایذا دیتا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسے قتل کرا دیا۔ سنن ابو داود میں کعب بن اشرف کے قتل کی وجہ یہ بتائی گئی ہے ''کہ وہ نبی ﷺ کی ہجو کرتا اور کفارِ قریش کو آپ کے خلاف جوش دلاتا تھا'' امام قسطلانی رحمہ اللہ نے 'صحیح بخاری' کی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتا تھا، اس طرح کہ رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں کی ہجو کرتا اور قریش کو ان کے خلاف اشتعال دلاتا۔ ابن سعد نے بھی اس کے قتل کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ ''وہ ایک شاعر آدمی تھا۔ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کی ہجو کرتا تھا اور ان کے خلاف لوگوں کے جذبات بھڑکاتا تھا۔''

اب بتائیے کوئی شخص ان مستند حوالہ جات کی موجودگی میں وحید الدین خان کی رائے سے جو اس کی ساختہ پرداختہ ہے، اتفاق کر سکتا ہے؟ موصوف مذکورہ بالا حضرات سے اپنے آپ کو شاید زیادہ باخبر، اور ثقہ سمجھتے ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کی ہر غلط بیانی کو 'حقیقت' سمجھ کر قبول کر لیا جائے گا۔ چونکہ انہوں نے تہیہ کیا ہوا ہے کہ 'سب وشتم' کے مسئلہ کو کم اہم کر کے دکھانا ہے۔ اسی لئے انہوں نے ایسے واقعات کو بھی (Play Down) کیا ہے جو اس مسئلہ میں واضح اور صریح راہنمائی کرتے ہیں۔ جن کی ایک روشن مثال ان کی وہ رائے ہے جو انہوں نے کعب بن اشرف کے قتل کے بارے میں دی ہے۔ وحید الدین خان کی کتاب پر ایسی 'حقیقتیں' جابجا بکھری پڑی ہیں۔

② واقعہ افک سے غلط استنباط

رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران کے جن واقعات کو وحید الدین خان نے اپنے غلط موقف کے 'ثبوت' کے لئے "exploit" (استحصال) کیا ہے، ان میں واقعہ 'افک خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس واقعہ کے بارے میں متعدد مقامات پر گھما پھرا کر موصوف نے ایک ہی نتیجہ نکالنے کی سعی ناکام فرمائی ہے کہ سب وشتم پر قتل کی سزا غیر اسلامی ہے۔ انہوں نے واقعہ افک کو صحیح تناظر میں بیان کرنے کی بجائے اپنی نفسانی خواہشات اور باطل تحقیقی معیارات کی میزان پر رکھ کر جانچا ہے۔

وحید الدین خان نے واقعہ 'افک کے متعلق متعدد صفحات (۹۳، ۹۴، ۱۴۶، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴) میں ذکر کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عبداللہ ابن اُبی کو اس کے جرم کی سزا نہیں دی گئی۔ مولانا موصوف کی رائے میں جھول کی نشاندہی سے پہلے مناسب ہوتا ہے کہ ان کی رائے کے اصل اقتباسات دے دیئے جائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اسلام کے دورِ اول میں مدینہ کے منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر نعوذ باللہ بدکاری کا الزام لگایا اور اس کو عوام کے درمیان خوب پھیلایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نہ صرف پیغمبر اسلام ﷺ کی اہلیہ تھیں، بلکہ ان کی حیثیت اُم المومنین کی تھی۔ وہ تمام مسلمانوں کے لئے مقدس ماں کا درجہ رکھتی تھیں، مگر مدینہ میں اقتدار و اختیار کے باوجود ایسا نہیں کیا گیا کہ اس جرم کا ارتکاب کرتے ہی تمام مجرموں کو پکڑا جائے اور ان کا سر کاٹ کر شہر کے دیواروں پر لٹکا دیا جائے۔ پھر جب رسول اور اصحابِ رسول نے ایسا نہیں کیا تو بعد کے مسلمان کس دلیل سے اس قسم کا فعل کرنے کا حق رکھتے ہیں۔'' [ص ۹۴]

> ''اس معاملہ میں عبداللہ ابن اُبی سب سے بڑا مجرم تھا۔ قرآن میں اس کے ابلیسی جرم کا اعلان کیا گیا، مگر اس کے لئے کوئی قانونی سزا تجویز نہیں کی گئی۔ اس کی سزا کے معاملہ کو تمام تر آخرت پر چھوڑ دیا گیا۔''

اس بارے میں درج ذیل اُمور خصوصی توجہ کے قابل ہیں:

① یہ درست ہے کہ واقعہ اِفک میں ملوث مدینہ کے سردار عبداللہ ابن ابی کو سزا نہیں دی گئی۔ جیسا کہ پہلے وضاحت سے لکھا جاچکا ہے کہ اس کی معافی حضور اکرم ﷺ کی جانب سے 'خصوصی رعایت' اور ان کے ذاتی استحقاق کے استعمال کا نتیجہ تھی۔ عبداللہ ابن اُبی کے سزا سے بچ جانے کو عام اصول قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اور بقول وحید الدین خان، ''اس معاملہ کو آخرت پر چھوڑ دیا گیا''...... اگر یہ بات مطلق اصول ہوتی تو واقعہ افک کے دیگر مجرموں کو سزا ہرگز نہ دی جاتی۔ اَحادیث کی تمام قابل ذکر کتابوں اور قرآن کی معروف تفاسیر میں واضح طور پر موجود ہے کہ واقعہ افک کے تین ملزموں پر قذف کی حد جاری کی گئی۔ یہ دو مرد تھے اور ایک عورت۔ مردوں میں معروف شاعر حسان بن ثابت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک رشتہ دار مسطح تھے۔ عورت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا تھی جو رسول اکرم ﷺ کی زوجہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کی بہن تھی۔ وحید الدین خان عبداللہ ابن ابی کی معافی کی تکرار تو بہت کرتے ہیں مگر ان تین اَفراد کو دی جانے والی سزا کا ذکر جان بوجھ کر گول کر گئے۔

② دوسرا یہاں ایک اہم نکتہ قابل وضاحت یہ ہے کہ وحی کے آنے کے بعد مذکورہ تین افراد کو قتل نہ کیا گیا اور ان پر محض قذف کی حد ہی نافذ کیوں کی گئی۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ تکنیکی اعتبار سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر مذکورہ الزام براہ راست دین پر طعن و تشنیع یا خود رسالتمآب ﷺ کی ذاتِ مبارکہ (جو منصب رسالت کی اَمین تھی) پر براہِ راست اِلزام نہ تھا۔ ہاں البتہ یہ بالواسطہ ضرور تھا۔ اَصل میں یہ معاملہ توہین عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ وہ ایک عظیم صحابیہ اور اُم المومنین تھیں۔ مگر قتل کی سزا صرف توہین رسول پر ہے توہین صحابہ یا صحابیات کے معاملے میں تعزیر کا حکم ہے۔ سنن نسائی میں ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت مذکور ہے کہ ایک شخص نے خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زبان سے اَذیت پہنچائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس شخص پر ناراض ہورہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اس کی گردن ماروں؟ یہ سنتے ہی آپ رضی اللہ عنہ کا غصہ دور ہوگیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ کے بعد کسی شخص کا یہ مقام نہیں کہ اس کو گالیاں دینے والے کو قتل کیا جائے۔''

(ب) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مرتدین اور منکرین نبوت سے جنگیں لڑیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے مہاجر رضی اللہ عنہ بن ابی اُمیہ کو کندہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مہاجر رضی اللہ عنہ یمن سے کندہ پہنچے اور تمام باغی قبائل کو اسلامی ریاست کے زیرنگیں کردیا۔ کندہ میں دو گانے والیاں تھیں۔ ایک مغنیہ اپنے اَشعار میں رسول اکرم ﷺ کو گالیاں دیتی تھی اور دوسری مسلمانوں کی ہجو کرتی تھی۔ مہاجر رضی اللہ عنہ نے دونوں کے ہاتھ کاٹ دیئے اور اگلے دانت نکلوا دیئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے مہاجر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ تمہارا یہ فیصلہ غلط ہے۔ جو مغنیہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی، اسے قتل کرنا چاہئے تھا، کیونکہ شتم انبیاء کی سزا دوسری سزاؤں سے مشابہ نہیں ہوسکتی اور دوسری مغنیہ اگر وہ ذمی ہے، تو اس سے درگزر کرنا مناسب تھا۔''

[حوالہ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ از محمد حسین ہیکل اقتباس از مضمون 'گستاخی اور اہانت، ایک مستقل عالمی مہم' پروفیسر کریم بخش نظامانی]

③ واقعہ افک کے ملزمان کو فوراً گرفتار کرکے ان کو سزا کیوں نہ دی گئی۔ اس مسئلہ کی وضاحت تفہیم القرآن میں مولانا مودودی رحمہ اللہ نے یوں فرمائی ہے۔

''یعنی یہ بات قابل غور تک نہ تھی۔ اسے تو سنتے ہی ہر مسلمان کو سراسر جھوٹ اور کذب و اِفترا کہہ دینا چاہئے تھا۔ ممکن ہے کوئی شخص یہاں یہ سوال کرے کہ جب یہ بات تھی تو خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے کیوں

نہ اوّل روز ہی جھٹلا دیا اور کیوں انہوں نے اسے اہمیت دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر اور باپ کی پوزیشن عام آدمیوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اگر چہ ایک شوہر سے بڑھ کر کوئی اپنی بیوی کو نہیں جان سکتا اور ایک شریف و صالح بیوی کے متعلق کوئی صحیح الدماغ شوہر لوگوں کے بہتانوں پر فی الواقع بدگمان نہیں ہوسکتا، لیکن اگر اس کی بیوی پر الزام لگا دیا جائے تو وہ اس مشکل میں پڑ جاتا ہے کہ اسے بہتان کہہ کر ردّ کر بھی دے تو کہنے والوں کی زبان نہ رکے گی بلکہ وہ اس پر ایک اور ردا یہ چڑھائیں گے کہ بیوی نے میاں صاحب کی عقل پر کیسا پردہ ڈال رکھا ہے، سب کچھ کر رہی ہے اور میاں یہ سمجھتے ہیں کہ میری بیوی بڑی پاکدامن ہے۔ ایسی ہی مشکل ماں باپ کو پیش آتی ہے۔ وہ غریب اپنی بیٹی کی عصمت پر صریح جھوٹے الزام کی تردید میں اگر زبان کھولیں بھی تو بیٹی کی پوزیشن صاف نہیں ہوتی۔ کہنے والے یہی کہیں گے کہ ماں باپ ہیں، اپنی بیٹی کی حمایت نہ کریں گے تو اور کیا کریں گے۔ یہی چیز تھی جو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کو اندر ہی اندر غم سے گھلائے دے رہی تھی۔ ورنہ حقیقت میں کوئی شک ان کو لاحق نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے تو خطبے ہی میں صاف فرما دیا تھا کہ میں نے نہ اپنی بیوی میں کوئی برائی دیکھی ہے اور نہ اس شخص میں جس کے متعلق یہ الزام لگایا جا رہا ہے۔'' [تفہیم القرآن، ۳۶۸/۳]

④ سپریم کورٹ آف پاکستان کی شریعت اپلیٹ بنچ کے جج جناب محمود احمد غازی صاحب اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''تاہم کسی عمل کے متعلق یہ تعین کرنے کے لئے کہ یہ عمل توہین کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں، متعلقہ شخص کے عزائم کو بھی زیرِ غور لایا جائے گا۔ خصوصاً ایسی صورت میں، جب اس موقع پر استعمال کیے جانے والے الفاظ واضح نہ ہوں۔ یوں پیغمبر ﷺ کے نام کی توہین کا تعین کرتے وقت ارادہ یا نیت ایک اہم عنصر بن جاتے ہیں۔ اس جرم کے بنیادی عناصر سے بحث کرتے ہوئے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس حقیقت پر انحصار کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے تین ساتھیوں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، مسطح رضی اللہ عنہ اور حمنہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ پر غلط الزام تراشی (قذف) کے جرم میں سزا دی گئی تھی۔ ان میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا تھا کہ اس نے توہین رسالت کے جرم کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا انہیں موت کی سزا نہیں دی گئی تھی۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ واقعہ قرآنِ کریم کی سورۃ الاحزاب کی آیت ۶ کے نزول سے قبل پیش آیا تھا جس میں پیغمبر ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو اہلِ ایمان کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مستقبل میں اُمہات المؤمنین میں سے کسی کے خلاف بھی غلط الزام توہین رسالت ہی تصور کیا جائے گا۔''

['کیا امریکہ جیت گیا'؟، مرتب: متین خالد، ص ۷۴، ۷۵]

ان وضاحتوں کے بعد وحید الدین خان کے مذکورہ اقتباسات محض جذباتی سطحیت کا نامعقول نمونہ بن کر رہ جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی جذبا سے شاتم رسول کی سزا کے مخالفین کو بھڑکانے کی کوشش کی ہے حالانکہ وہ اس سزا کے حامیوں کے خلاف بھی یہ تے ہیں کہ وہ جذباتی ہیں.

عقلیات کے گلیشیر

مولانا وحید الدین خان حرارتِ ایمانی کے عقلیات کے گلیشیر میں شعلۂ جوالہ کو دفن کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے حرارتِ ایمان کا اصل سرچشمہ عشق رسول ہے۔ وہ اس سرچشمہ کے دہانے پر اپنی عقل کے بھاری پتھر رکھ کر اس چشمہ کا رخ موڑنا چاہتے ہیں تاکہ یہ اُمتِ مسلمہ کی فصل ایمانی کو سیراب نہ کر سکے اور اس طرح ایمان کے بہار

کدے کی تمام تر لہلہاتی فصلیں اب ایمان کی کمی کی وجہ سے سوکھ کر بھسم ہوجائیں۔ اقبال رحمۃ اللہ نے عشق کی آگ کے بجھ جانے کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا تھا وہ آفاقی صداقت پر مبنی ہے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں، خاک کا ڈھیر ہے!

وحید الدین خان صاحب مسلمانوں کو خاک کے ڈھیر میں بدلا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ابلیس مجسم رشدی جیسے بدبخت افراد ان کے محبوب پیغمبر کے خلاف ایسی گندی، رذیل اور گھٹیا زبان استعمال کریں کہ انسانیت کا سر بھی شرم سے جھک جائے مگر مسلمان چپ کا روزہ رکھ لیں۔ وہ نہ تو احتجاج کریں اور نہ ہی اس رذیل حرکت پر اپنے جذبات کا اظہار کریں۔ وحید الدین خان صاحب سن لیجئے! آپ جیسے 'نابغہ عصر' اور بزعم خویش افلاطون اور غزالی دوراں کہ جس کی برفانی عقل رشدی کے خلاف معمولی جنبش کے علاوہ کوئی بے حرکت نہ کرسکی، کے مقابلے میں امت مسلمہ کو وہ ترکھان کا بیٹا غازی علم الدین شہید زیادہ عزیز ہے کہ جو حب رسول ﷺ کے چشمہ میں اپنے جسم کا لہو شامل کر کے اس کی آتش کو اس قدر بھڑکا گیا کہ جو مسلمانوں کے لہو میں شعلہ جوالہ بن کر آج بھی رقص کناں ہے۔

جناب! آپ جیسے یخ بستہ عقل پسندوں کی نسبت وہ لوگ زیادہ عظیم ہیں جو توہین رسالت کا معمولی سا منظر دیکھ نہیں سکتے۔ میں آج سے چند سال پہلے لاہور ہائیکورٹ میں گستاخ رسول سلامت مسیح کے مقدمہ کی سماعت کے دوران حضورِ اکرم ﷺ کے ان دیوانوں کی چیخوں اور سسکیوں کو کبھی بھلا نہ سکوں گا جو انہوں نے عدالت کی طرف سے اس گستاخِ رسول کو بری قرار دینے پر برپا کی تھیں اور اسی عدالتِ عالیہ کے ایوان میں جناب رشید مرتضیٰ ایڈووکیٹ کی وہ دیوانگی دنیا کے تمام فرزندوں کی عقل پر بھاری ہے جب انہوں نے گستاخ رسول کی پرزور وکالت کرنے والی انسانی حقوق کی نام نہاد علمبردار ایک خاتون وکیل کو طیش میں آکر کہا تھا "چپ رہ۔ اے کتیا! ہاں ہاں تو کتیا ہے۔"

اور وہ عورت جسے سلمان رُشدی کی طرف سے معلم انسانیت اور اشرف ترین پیغمبر کو (Mahound) کہنے پر کوئی اعتراض محض اس لئے نہیں تھا کہ وہ اسے آزادیٔ اظہار کا حق سمجھتی تھی، اپنے لئے 'کتیا' کا لفظ برداشت نہ کرسکی، اور عدالتِ عالیہ کے جج سے چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی "سر! دیکھیں یہ مجھے کتیا کہہ رہے ہیں" اس عورت کا پاگل پن اور غصہ دیدنی تھا۔ ہائے افسوس! اس طرح کے لوگ جو اپنی ذات کے لئے جس گالی کو برداشت نہیں کرسکتے، وہ مسلمانوں کو 'مشورہ' دیتے ہیں کہ وہ اربوں مسلمانوں کے محبوب کے سرور کے خلاف اس طرح کی گالی کو بے حمیت بن کر برداشت کرتے رہیں۔

وحید الدین خان! آپ کی عقل پر برف کی موٹی جھلی جم چکی ہے اس میں سے حرارتِ ایمان نہیں گذر سکتی۔ وقت کے ساتھ ساتھ آپ کی زبان عقل ایسی حرارت کے لئے غیر موصل ہوگئی ہے تو آپ کو اپنی اس قساوتِ قلبی پر خدا سے امان طلب کرنے کی بجائے مسلمانوں کو اس 'قساوتِ قلبی' کے گلیشیر میں دھکیلنے کی مذموم جدوجہد نہیں کرنی چاہئے۔

............*